الحل المسعود
لحل
اسئلۂ ابی داؤد
مرتب
محمد عثمان ہردواری
تقریظ حضرت مولانا جمیل احمد صاحب سکروڈوی
استاذ دار العلوم دیوبند
تصحیح و نظر ثانی حضرت مولانا مفتی ابو جندل صاحب
شیخ الحدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ (مظفر نگر)
مکتبہ نسیمیہ رنسورہ ہری دوار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحل المسعود

لحل

اسئلۃ ابی داؤد

جلد دوم

مرتب

محمد عثمان ہریدواری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابوداؤد شریف ص ۳۵۹

(۱) سوال: وَاللّٰہِ یا رسولَ اللّٰہِ مَا کَانَ بِی کُفْرٌ وَلَا اِرْتِدَادٌ فقال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم صَدَقَکُمْ فقال عمرؓ دَعْنِی اَضْرِبُ عُنُقَ ھٰذَا الْمنافِقِ فقال رسول اللّٰہ ﷺ قد شَھِدَ بَدْراً وَمَایُدْرِیْکَ لعل اللّٰہ اِطَّلَعَ علٰی أھلِ بَدرٍ فقال اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فقدغَفَرْتُ لَکُمْ:

(الف) اعراب لگا کر ترجمہ کریں، (ب) یہ حدیث حاطب بن ابی بلتعہ کے بارے میں ہے ان کا مختصر طور سے قصہ بیان کریں (ج) آپ ﷺ کے قد صدقکم کہنے کے باوجود حضرت عمرؓ کا منافق کہنا اس کا جواب تحریر کریں، (د) قد شھد بدراً الی اخرہ سے آپ ﷺ نے حاطب سے کفر ونفاق کی نفی پر استدلال کیا آپ طریقہ استدلال تحریر کریں۔

(جواب الف) اللہ کی قسم میں کافر اور مرتد نہیں ہوں یہ سن کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حاطب نے تم سے سچ کہا ہے حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس منافق کی گردن اڑانے دیجئے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ جنگِ بدر میں شریک ہوئے ہیں اور کیا تم کو معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھ کر فرمایا ہے کہ جو چاہو کرو میں نے تم کو بخشا دیا۔

(ب) حاطب بن ابی بلتعہ کا واقعہ:

"حاطبؓ یمن کے باشندہ تھے اور مکہ مکرمہ میں آکر مقیم ہو گئے تھے پھر مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے اور اہل وعیال کو مکہ میں ہی چھوڑ آئے اور حضرت زبیرؓ کے حلیف تھے، جنگ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے، جس زمانہ میں کفار قریش نے حدیبیہ کا

معاہدہ توڑ دیا تھا اور رسول ﷺ مکہ میں حملہ آور ہونے کا ارادہ کر چکے تھے اس زمانہ میں سارہ نام کی ایک مغنیہ مدینہ منورہ آئی، حضور ﷺ نے اس سے پوچھا کہ کیا تم ہجرت کر کے آئی ہو ،اس نے جواب دیا کہ نہیں پھر آپ ﷺ نے فرمایا آخر کس غرض سے آئی ہو، اس عورت نے کہا کہ مکہ مکرمہ میں اعلیٰ خاندان کے لوگوں سے میرا گزارہ ہوتا تھا اب مکہ کے بڑے بڑے سردار غزوۂ بدر میں مارے گئے ہیں اور آپ لوگ یہاں چلے آئے ہیں اس لئے اب میرا گزارہ مشکل ہو گیا ہے، میں سخت پریشانی میں ہوں آپ سے مدد لینے آئی ہوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم تو مکہ شریف کی پیشہ ور مغنیہ ہو وہ مکہ کے نوجوان کہاں گئے جو تم پر روپئے پیسے کی بارش کیا کرتے تھے اس نے کہا کہ بدر کے بعد ان کی ساری تقریبات ختم ہو چکی ہیں اور اس وقت مجھے کسی نے نہیں بلایا چنانچہ آپ ﷺ نے بنی مطلب کو اس عورت کی مدد کرنے کی ترغیب دی، انہوں نے اس کو نقد پوشاک دے کر رخصت کر دیا، حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے اسی عورت کے ذریعہ کفار مکہ کی طرف ایک خط بھیجا جس میں یہ لکھا تھا کہ حضور ﷺ کا لشکر اندھیری رات اور سیل بے پناہ کی طرح تم پر ٹوٹنے والا ہے حضور ﷺ کو بذریعہ وحی اس خط کا پتہ ہو گیا چنانچہ آپ ﷺ نے چند صحابہؓ کو حکم دیا کہ ایک عورت مکہ کے راستہ میں سفر کرتی ہوئی فلاں مقام پر ملے گی، اس کے پاس ایک خط ہے اس کو لے کر آؤ، یہ لوگ بہت تیزی سے روانہ ہوئے اور اس عورت کو ٹھیک اسی مقام پر پالیا، کچھ رد و کد کے بعد وہ خط ان کے حوالہ کر دیا۔ (القول المحمود ص۳) (السمح المحمود ص ۳۷ ج ۹) (الحل المحمود ص ۳۶)

(ج) یہ اشکال بظاہر بہت قوی معلوم ہوتا ہے لیکن محدثین کرام نے اس کی مختلف توجیہات کی ہے،

(۱) حضرت عمرؓ اپنی فطری قوت اور منافقین سے عداوت کی وجہ سے یہ بات کہہ رہے ہیں اور حضرت عمرؓ نے یہ خیال کیا کہ حضرت حاطبؓ کا یہ فعل موجب قتل ہے کیونکہ

انہوں نے آپ ﷺ کی نافرمانی کی ہے لیکن قتل کا پختہ ارادہ نہیں کیا اسی وجہ سے آپ ﷺ سے اجازت طلب کرر ہے ہیں۔

(۲) علامہ حلبی نے کہا ہے کہ ممکن ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ قول حضور ﷺ کی تصدیق سے پہلے کا ہو اور روایات میں تقدیم و تاخیر ہوگئی ہو۔

(۳) علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ پر ایسی حالت طاری ہوگئی تھی کہ ان کو یہ پتہ نہیں چلا کہ حضور ﷺ کیا فرما رہے ہیں۔ (السمح المحمود ص ۳۹ ج ۹) (الحل المحمود ص ۲۷)

(د) حاطب ابن ابی بلتعہؓ سے عدم نفاق پر اس طرح استدلال ہوگا کہ حضور اکرم ﷺ نے حاطب سے فرمایا ماھٰذا یا حاطب تو انہوں نے معذرت کی لا تَعْجَلْ عَلَیَّ یا رسول اللہ مابی کفرٌ وَلَا اِرْتِدَادٌ الخ اس پر آپ ﷺ نے صَدَقَکُمْ فرمایا اور ان کے عذر کو قبول فرمایا اس طرح واقعہ سیدنا حاطبؓ سے عدم نفاق پر استدلال ہوگا۔

(الحل المحمود ص ۲۹)

ابوداؤد ص ۳۶۱

(۲) سوال : بابُ النهی عَنِ المثلةِ :عَن علقمةَ عن عبد اللّٰهِ قال قال رسول اللّٰه ﷺ أعَفُّ النَّاسِ قِتْلَةً أهْلُ الایمان.

(الف) حدیث پاک کا ترجمہ و تشریح کیجئے (ب) اعراب لگا کر ترکیب نحوی کیجئے

(ج) اس حدیث کو باب فی النهی عن المثلة سے کیا تعلق ہے اس کی وضاحت کریں نیز مثلہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے بتائے اختیاری اور اضطراری مسئلہ کا حکم ایک ہے یا الگ الگ

(جواب الف) مثلہ کرنے کی ممانعت کا بیان حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان والے بہتر قتل کرنے والے لوگ ہیں۔

تشریح مع تحقیق مثلة :ناک کان کاٹنا،سزا،عذاب،جمع مثلات ہے۔اعفُ اسم تفضیل از باب(ض)حرام یا غیر مستحسن سے رکنا،

حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ جب مومن قتل کرتے ہیں تو بری طرح قتل نہیں کرتے کہ مقتول کے ناک کان اور دیگر اعضاء کو الگ الگ کر دے بلکہ حضورﷺ کی تعلیم کے مطابق قتل کرتے ہیں آپﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اچھی طرح قتل کرو یعنی (یکبارگی میں ہی قتل کردو)اور کفار بری طرح قتل کرتے ہیں، یہاں تک کہ وہ مثلہ بنادیتے ہیں جیسا حضرت حمزہؓ کے ساتھ کیا۔

(ب)اعف الناس قتلةً أهلُ الایمان کی نحوی ترکیب اعف اسم تفضیل مضاف الناس مضاف الیہ دونوں ملکر ممیز ہوا قتلة تمیز ممیز تمیز سے ملکر مبتدا ہوا اهل مضاف الایمان مضاف الیہ مضاف مضاف الیہ سے مل کر خبر مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا (اسح المحمود ص۶۰ ج۹) اهل الایمان مبتدا مؤخر اعف الناس خبر مقدم قتلة تمیز(القول المحمود ص۶)(ج)حدیث باب سے ضمناترجمہ ثابت ہورہا ہے،اسلئے کہ آپﷺ اس حدیث پاک سے مثلہ کی ممانعت ہی مسلمانوں کی تعریف کے انداز میں بیان فرمارہے ہیں۔ (اسح المحمود ص۶۱ ج۹)مطابقة الحدیث بالباب "بِـأنّ المؤمنین قیل لهم لا اعف النّاس قتلة" لأنّهم یمتنعون عن المثلة ویحترزون عنها ففیه النهی عن المثلة" (القول المحمود ص۶)

مثلہ کی حقیقت وشرعی حکم

صاحب درمختار فرماتے ہیں کہ جب تک دشمنوں پر کامیابی اور غلبہ حاصل نہ ہو تو مثلہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ مقابلہ کیلئے کوئی شخص نکلے اور اس نے اپنے مقابل کا کان کاٹ دیا پھر ہاتھ کاٹ دیا پھر ناک کاٹ دی وغیرہ ،اور جب کفار پر غلبہ حاصل ہوجائے تو مثلہ کرنا جائز نہیں ہے،اسی کو شامی نے بھی نقل کیا ہے،

حکم المثلة فی حالة الاختیار والاضطرار متفرّق أما المثلة فی الاضطرار فهی جائزة بلاکراهةوأما فی الاِختیارففیه خلاف یسیر بین الحنفیة والشافعیة أماالحنفیه ،فقالوابِعَدَمِ جوازها علی الاطلاق سواء کانت قصاصاً أوابتداءً وأما الشافعیة ،فقالوا بجوازها قصاصاً وبِعَدَمِ جوازها فی غیرهٰذه الصّورة لأنهم صاروا الیٰ جوازمُمَاثِلَةِ فی القصاص نظرا الیٰ قوله تعالی وجزاء سیّئة سیّئة مثلها والحنفیة قالوا :ان المماثلة لابد منها فی القتل فقط لا فی کیفیة القتل (القول المحمود ص۷)

مسئلہ اضطراری میں مثلہ باتفاق جائز ہے اس میں کوئی کراہت نہیں ہے اور اضطراری کا مطلب یہ ہے کہ دوران مبارزہ معرکۂ جہاد میں غیر اختیاری طور پر کان ناک ہاتھ وغیرہ کٹ جائے اور اختیاری مثلہ میں امام شافعی اور احناف کے درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے عندالاحناف مطلقاً ناجائز مکروہ ہے خواہ قصاصاً ہو یا ابتداء ہواور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قصاصاً جائز ہے ورنہ ناجائز ہے اختیاری کا مطلب یہ ہے کہ قابو میں پانے کے بعد مثلہ کیا جائے (الحل المحمود ص۴۹)

ابوداؤدشریف ص۳۶۱

(۳) سوال :عَن حَمزةَ بنِ أبِی أُسَیدٍ عَنْ أبِیهِ قال رسولُ اللّٰهِ ﷺ حِینَ اصطَففْنَا یومَ بَدرٍاِذَا اکثَبُوکُمْ یعنی اِذا غَشَوْاکُم فارْمُوْ هُمْ بالّنبلِ واستَبقُوْا نَبْلَکُمْ:

(الف) حدیث کا ترجمہ ومطلب بیان کیجئے اوراعراب لگایئے (ب) اورتاریخ بدر پرروشنی ڈالئے۔

(جواب الف) حضرت حمزہؓ بن ابی اسیدؓ اپنے والدابی اسید (مالک بن ربیعہ) سے

روایت کرتے ہیں کہ جب ہم نے بدر کے دن صف بندی کی تو حضورﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب وہ (مشرکین) تمہارے قریب تر ہو جائیں تو ان کو تیروں سے مارو (اور جب وہ دور ہوں) تو اپنے تیروں کو باقی رکھو، اس روایت میں جنگ بدر کے دن کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب حضورﷺ نے صحابہ کی صف بندی فرمائی تو آپﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ دور سے تیروں کو مت پھینکنا، اس لئے کہ اگر دور سے تیروں کو پھینکا جائے گا تو اصل مقصد حاصل نہیں ہوگا، کیونکہ تیر پھینکنے کا اصل مقصد دشمن کو زد پہنچانا ہے۔ بعض حضرات نے اس کی تفصیل یہ بیان کی ہے کہ دُور سے پتھر پھینکو، اور جب کچھ قریب ہو جاؤ تو تیر پھینکو اور جب دشمن کے بالکل قریب ہو جاؤ تلوار چلاؤ، یہاں پر روایت کو لاکر صف بندی کو بتلایا ہے۔

(ب) غزوۂ بدر، شام سے لوٹنے والے قریش کے کاروان تجارت کے تعاقب میں اتوار ۱۲؍رمضان المبارک ۲ھ کو ۳۱۳ یا ۳۱۴ یا ۳۱۵ صحابہ کو ساتھ لیکر حضورﷺ روانہ ہوئے لشکر میں صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع بیر ابی عنبہ پہنچ کر آپﷺ نے لشکر کا جائزہ لیا، کمسنوں کو واپس کیا، مقام صفراء پہنچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ تجارت کی حفاظت کے لئے مکہ سے قریش کا لشکر روانہ ہو کر بدر کے قریب پہونچ گیا ہے، ہوا یہ ہے کہ قافلہ تجارت کے سردار ابوسفیان کو جب یہ معلوم ہوا کہ اصحاب محمدﷺ تعاقب میں نکلے ہیں تو ضمضم غفاری کو اجرت دے کر قریش کو اطلاع دینے کے لئے روانہ کیا اور خود ابوسفیان نے راستہ تبدیل کر کے ساحل بحر کا راستہ اختیار کیا، اطلاع پاتے ہی ابوجہل کی سر کردگی میں جنگجو نوجوان مانے ہوئے شہسواروں کی ایک ہزار کی جمعیت سو گھوڑوں سات سو اونٹوں اور ناچنے والی عورتوں کی رونق کے ساتھ روانہ ہوئی، کاروان تجارت بچ نکلا تو ابوسفیان نے لشکر قریش کو پیغام بھیجا کہ قافلہ تجارت بحفاظت نکل آیا ہے تم واپس آجاؤ، بنوزھرہ واپس آگئے لیکن ابوجہل نہ مانا، کہنے لگا، بدر میں تین دن جشن منا کر واپس ہونگے ۱۷؍رمضان ۲ھ جمعہ کی صبح کو میدان بدر میں کفر و اسلام کی صفیں آمنے سامنے

تھے، انفرادی مقابلہ شروع ہوا، قریش سے عتبہ، شیبہ، اور ولید نکلے، لشکر اسلام سے حضرت حمزہؓ، علیؓ، اور عبیدہؓ بن الحارث آئے اور انہوں نے تینوں کافروں کا کام تمام کر دیا، عتبہ کے وار سے حضرت عبیدہؓ کی ٹانگ کٹ گئی تھی، کچھ دیر بعد انہوں نے شہادت پائی پھر عام حملہ شروع ہوا، مٹھی بھر توحید کے پاسبانوں نے ایمان وعزیمت اور بہادری وشجاعت کے وہ جو ہر دکھائے کہ میدان بدر آج بھی ان کی عظمت اور نصرت خداوندی کا نشان ہے، قریش کے ستر آدمی مارے گئے، ستر قید کئے گئے، چودہ مسلمان شہادت کی دولت سے سرفراز ہوئے، اسیران جنگ کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا، (کشف الباری ص ۱۹۶ ج ۸)

ابوداؤد شریف ص ۳۶۵

(۴) سوال : بابٌ فِی الأسیرِ یُکْرَہُ علی الاِسلامِ عَنْ اِبْنِ عباسٍ قال: کَانَتِ المراۃُ تکُونُ مِقلاۃً فَتجْعَلُ علیٰ نَفْسِھَا اِنْ عَاشَ لَھَا وَلَدٌ اَنْ تُھَوِّدَہٗ فلمّا أُجْلِیَتْ بَنُو النَّضِیرِ کَانَ فِیْھِمْ أبناءُ الأنصارِ فقالوا لا نَدَعُ أبْنائنا، فأنزل اللہ عزّوجلّ لااِکراہَ فِی الدینِ قد تبیّن الرشد من الغیّ:۔

(الف) حدیث پاک کا ترجمہ ومطلب بیان کیجئے اور اعراب لگائیں (ب) بتلائے کہ حدیث پاک سے ترجمۃ الباب کس طرح ثابت ہوتا ہے

(جواب الف) یہ باب قیدیوں کو اسلام پر مجبور (نہ) کرنے کے بیان میں ہے، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جب کوئی عورت ایسی ہوتی کہ اس کا بچہ نہ جیتا تو وہ یہ نذر مان لیا کرتی تھی کہ اگر اس کا بچہ زندہ رہیگا تو یہودی بنا دے گی، جب بنو نضیر کے یہودیوں کو جلا وطن کیا گیا تو ان میں انصار کے بچے بھی تھے، انصار نے کہا کہ ہم اپنی اولاد کو نہ چھوڑیں گے، تو اللہ نے یہ حکم نازل فرمادیا کہ ''لا اکراہ فی الدین'' کہ دین میں زبردستی نہیں ہو سکتی، گمراہی اور ہدایت واضح ہو چکی ہیں جس کو چاہیں اختیار کریں۔

مطلب: اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہودی مذہب کو اچھا سمجھا جاتا تھا، اس لئے جس عورت کا بچہ نہ جیتا تھا، وہ نذر مان لیا کرتی تھی کہ اگر میرا بچہ زندہ رہا تو میں اس کو یہودی بنا دونگی، اسی وجہ سے انصار کی بہت سی اولاد یہودی تھی،

لیکن جب ۴ ہجری میں حضور ﷺ نے بنونضیر کو ان کی بری حرکتوں کی وجہ سے جلاوطن کیا تو ان میں انصار کے وہ بچے بھی شامل ہیں جو یہودی مذہب کے پیرو تھے انصار نے کہا کہ ہم اپنے بچوں کو نہیں چھوڑیں گے ہم نے ان کو اس وقت یہودی بنا دیا تھا جب ہم یہودیت کو اچھا سمجھتے تھے، مگر اب اسلام کا آفتاب طلوع ہو چکا ہے اور تمام ادیان سے افضل دین ہمارے پاس ہے تو ہم اپنے بچوں کو یہودی نہ رہنے دیں گے اور انہیں اسلام پر مجبور کریں گے اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ ان کو جبراً مسلمان نہ بناؤں

(ب) ترجمۃ الباب لا اکراہ فی الدین سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ باب کا مقصد اکراہ فی الدین کے عدم جواز کو بتلانا ہے اور حدیث میں بھی عدم اکراہ کا بیان ہے لہذا مطابقت ہوگئی۔ (اسح ص ۸۶ ج ۹)

ابوداؤد شریف ص ۳۶۸

(۵) سوال: بابٌ فی عبدِ المشرکین یلحقونَ بالمسلمینَ فیُسلِمونَ: عن علیّ بنِ أبی طالبٍ قالَ خرَجَ عِبْدَانُ الیٰ رسولِ اللّٰهِ ﷺ یعنی یومَ الحُدیبیَّةِ قبلَ الصُّلحِ فکَتَبَ اِلَیهِ مَوَالِیهِمُ، فقالوا یامحمدو اللّٰهِ ماخَرَجُوا اِلیک رَغْبَةً فی دِینِکَ وَاِنَّماخرجوا هَرَباً مِنَ الرِّقّ، فقال ناسٌ صَدَقُوا یا رسول اللّٰه وقال :مَا أراکُم تَنهَونَ یا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ حتیٰ یَبعَثَ اللّٰهُ عَلیکم مَن یَضرِبُ رِقابَکُمْ علیٰ هذاوأبیٰ أن یَرُدَّهُمْ، وقال هُمْ عُتَقاءُ اللّٰه عزَّوجَلَّ:

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ و مطلب بیان کیجئے، (ب) غلاموں کی واپسی کی بات حدیبیہ کے موقع پر پیش آئی یا کسی دوسرے غزوہ کے موقع پر اگر کوئی دوسرا موقع ہو تو اس کی نشاندہی کیجیے اس واقعہ کا وقوع حدیبیہ میں ہونا کیوں غلط ہے اس کی وجوہ لکھئے (ج) فقال اناس سے مراد کون ہے (د) غلاموں کے آزاد ہونے کے اسباب بیان کریں۔

(جواب الف) مشرکین کے ان غلاموں کا بیان جو بھاگ کر مسلمانوں کے پاس آجائیں اور مسلمان ہو جائیں، حضرت علی بن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ حدیبیہ کے دن صلح سے پہلے حضور ﷺ کے پاس کئی غلام بھاگ کر آئے ان غلاموں کے مالکوں نے حضور ﷺ کو لکھا کہ واللہ یہ غلام تمہارے پاس تمہارے دین میں رغبت کی وجہ سے نہیں آئے ہیں بلکہ غلامی سے بھاگ کر تمہاری طرف آئے ہیں، لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ان لوگوں نے سچ کہا ہے ان غلاموں کو ان کے مالکوں کے پاس ہی بھیج دیجئے، اس پر آپ ﷺ ناراض ہو گئے اور فرمایا اے قریش کی جماعت تم کو میں نہیں دیکھتا ہوں کہ تم باز آؤ (نافرمانی سے) جب تک اللہ تعالیٰ تم پر ایسے شخص کو مسلط نہ کر دے جو اس (کام یعنی غلاموں کو کفار کی طرف واپس کرنے کی سفارش) پر تمہاری گردنوں کو اڑا دے، پھر آپ ﷺ نے ان غلاموں کو واپس کرنے سے انکار فرما دیا، اور فرمایا کہ یہ اللہ کے آزاد کردہ ہیں۔

مطلب امام ابوداؤدؒ اس باب کو قائم کر کے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کے پاس مشرکین کے غلام بھاگ کر آجائیں اور اسلام کو قبول کر لیں تو وہ آزاد ہو جاتے ہیں ان کو مشرکین کی طرف واپس نہیں بھیجا جائیگا۔

(ب) غلاموں کی واپسی کی بات حدیبیہ کے موقع پر پیش نہیں آئی بلکہ یہ غزوہ طائف کا واقعہ ہے، **فأهل السِّيَرِ متفقونَ علىٰ أنّ هٰذهِ القصّة وقعت فی غزوة الطائف ولم يذكر أحدٌ من أهلِ السِّيرِ هٰذه القِصّة فی الحديبية** اس واقعہ کا وقوع حدیبیہ

میں ہونا کیوں غلط ہے اس کی تین وجہ ہیں (۱) تمام اہل سیر متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کفار کے غلام غزوہ طائف ہی میں آئے ہیں، حدیبیہ کا کسی نے ذکر ہی نہیں کیا

(۲) اگر حدیبیہ کا واقعہ تسلیم کریں تو فقال الناس میں الناس سے مراد صحابہ تو ہو نہیں سکتے کیونکہ طبیعت سلیمہ اس بات کو قبول ہی نہیں کرتی کہ کبار صحابہ محض ظن کی وجہ سے ایسا کلام کریں جو حضور ﷺ کی انتہائی ناراضگی کا سبب بنے نیز آپ ﷺ نے کبھی بھی صحابہ کے لئے یا معشر قریش کا لفظ استعمال ہی نہیں فرمایا اور نہ ہی صحابہ پر اتنے غصہ کا اظہار کرتے تھے ،جیسا کہ اسید بن حضیرؓ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ ہم یہود کی مخالفت کرتے ہوئے حالت حیض میں وطی کیوں نہ کرلیا کریں تو آپ ﷺ کو غصہ تو آیا لیکن اتنے عتاب کا اظہار نہیں فرمایا۔

(۳) حدیث میں لفظ یوم الحدیبیة راوی حدیث حضرت علی سے منقول نہیں ہے بلکہ بعض رواۃ کی تفسیر ہے جس کی دلیل یعنی یوم الحدیبیة میں لفظ یعنی ہے اور دوسری روایت میں بھی طائف ہی کی صراحت ہے۔(ج) فقال ناس سے مراد نو مسلم صحابہ ہیں جن سے ایسے کلام کا صدور ممکن ہے (السمح المحمود ص ۱۱۸ ج ۹)

(د) اسباب عتق العبد ان :أمّاسبب العتق المثبت له فقد يكون دعوى النسب ،وقد يكونُ المِلكُ في القريبِ وقد يكون الإقرار بحريّة عبدانسان حتى لوملكه عَتَقَ ،وقد يكون بالدخول في دارالحرب ،فأنّ الحربِيَّ لو اشترىٰ عبدًا مسلمًا فدخل به الىٰ دارالحرب ولم يشعر به عتق عند أبي حنيفة ،وكذا زوال يده عنه ،بأن هرب من مولاه الحربيّ الىٰ دارِالاسلام وقد يكون باللفظ المخصوص للاعتاق ،وهو نفسه ركن الاعتاق الفظيّ الانشائيّ :(القول المحمود ص١٧)

ابوداؤد شریف ص ۳۶۸

(٦) سوال: عن نافع عن ابن عُمَرَ أنّ غلامًا لِابْنِ عُمَرَ اَبِقَ الیٰ العَدُوِّ فَظَهَرَ عَلَيْهِ المسلمُونَ فَرَدَّه رسول اللّٰهِ صلى اللّٰهُ عليهِ وسلَّمَ اِلیٰ ابنِ عمرَ وَلَمْ يُقَسِّمْ

ابوداؤد نے اس حدیث کوباب المال يصيبه العدوُّ من المسلمين ثم يدرك صاحبُه فی الغنيمةِ کے تحت نقل کیا ہے، اس حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے اور کس طرح تحریر کیجئے: (ب) اس مسئلہ میں ائمہ کا کیا اختلاف ہے امام ابوحنیفہ کا مذہب اور ان کی دلیل نیز جو دلیل ان کے خلاف ہے اس کا جواب بھی تحریر کریں۔

(جواب الف) اس باب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر کفار مسلمانوں کے اموال پر غالب آجائیں پھر مسلمانوں کا ان پر غلبہ ہواور وہ مال کفار کے قبضے سے پھر مسلمانوں کے قبضہ میں آجائیں تو اس کو مال غنیمت میں شمار کیا جائیگا یا صاحب مال کو دے دیا جائیگا اس میں ائمہ کا اختلاف ہے اور یہ اختلاف ایک اصولی مسئلہ پر مبنی ہے اور وہ اصولی مسئلہ یہ ہے کہ استیلاء کفار سبب ملک ہے یا نہیں:

(ب) اس مسئلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے کہ استیلاء کفار سبب ملک ہے یا نہیں، اس مسئلے کا حاصل یہ ہے کہ اگر کفار دارالاسلام میں داخل ہوکر مسلمانوں کے مال پر قبضہ کرلیں اور اس کو دارالحرب نہ لیجائیں تو وہ اس کے مالک نہیں ہونگے ،یعنی اگر مسلمان اس پر غالب آجائیں تو وہ مال اس کے مالک کو واپس کردیا جائیگا بالاتفاق:

اور اگر وہ دارالحرب منتقل کرلیں تو وہ اس مال کے مالک ہونگے یا نہیں اس میں ائمہ کرام کے مابین زبردست اختلاف ہوگیا اصل اس مسئلہ میں تین مذہب ہیں، (۱) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کفار مسلمانوں کے مال پر قبضہ کرلیں تو وہ اس کے مالک نہیں ہونگے

مسلمانوں کی ملکیت بدستور باقی رہے گی چنانچہ وہ مال جب بھی مسلمانوں کے پاس آئیگا تو اس کے مالکان کی طرف واپس کیا جائیگا تقسیم بین المجاہدین نہیں ہوگا۔

(۲) امام مالکؒ ولیث اور فقہاء سبعہ کا مذھب یہ ہے کہ کفار قبضہ کررتے ہی مالک ہوجائینگے احراز کی کوئی قید نہیں ہے پھر اگر مسلمان اس مال پر غالب آجائیں تو مالک قدیم تقسیم بین المجاہدین سے قبل بغیر قیمت کے لے سکتا ہے اور تقسیم کے بعد قیمت دے کر لے سکتا ہے۔

(۳) امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کی اصل روایت یہ ہے کہ مشرکین مسلمانوں کے مال پر قبضہ کرلیں اور اس کو دارالحرب منتقل بھی کرلیں تو وہ اس مال کے مالک ہوجائیں گے تفصیل کے لئے دیکھیں بذل ۴/۲۲۔اوجز المسالک ۴/۵۰۔فتح الباری ۶/۲۲۶

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل، آیت قرآنی ہے للفُقَرَاءِ المهاجِرينَ الّذين أخرجوا من ديارهم وأموالهم۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو فقراء قرار دیا ہے حالانکہ مکہ مکرمہ میں صحابۂ کرام صاحب ثروت اور مالدار تھے کفار کے ان کے احوال پر غلبہ کی وجہ سے فقراء قرار دیا گیا ہے پس معلوم ہوا کہ استیلاء کفار کی وجہ سے ملکیت ثابت ہوجاتی ہے، اس لئے کہ اگر کفار کی ملکیت ثابت نہ ہوتی تو ان کو فقراء کہنا صحیح نہ ہوتا۔

(۲) عقلی دلیل یہ ہے کہ ملکیت نام ہے کسی چیز پر تصرف کامل کی قدرت کا پایا جانا، اور جب کفار اس مال کو دارالحرب لے گئے تو مالک کا اس مال سے انتفاع ممکن نہ رہا تو ملکیت بھی باقی نہ رہی بلکہ زائل ہوگئی، اور ظاہر ہے کہ جب ایک مسلمان مالک کی ملکیت ختم ہوگئی تو کفار اس کے مالک ہوجائیں گے۔(السعی المحمود ص۱۱۲ ج۹۔بدائع الصنائع ۶/۱۰۸)

امام شافعیؒ کی دلیل حدیث باب ہے

جواب امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ ابھی احراز نہیں پایا گیا تھا اس لئے اصل مالک کی طرف واپس کردیا گیا۔

مطلب: اس حدیث کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ جو شخص مال غنیمت میں خیانت کرے اس کے سامان کو جلا دیا جائیگا لیکن یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس میں صالح بن محمد ضعیف ہیں، امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے، امام نسائی نے لیس بالقوی کہا ہے۔

(ب) اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیا جائیگا یا نہیں اس میں ائمہ کا اختلاف ہے: یعنی غلول کرنے والے کے سامان کو جلایا جائیگا یا نہیں؟

امام ابوداؤد امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص مال غنیمت میں خیانت کرے اور اس کا خیانت کرنا معلوم ہو جائے تو اس کے سامان کو جلا دیا جائیگا اور اس کو مال غنیمت سے حصہ نہیں ملے گا، یہی مسلک امام اوزاعیؒ اور مکحول کا بھی ہے

دلیل: یہ ہی حدیث باب ہے کیونکہ اس میں آپ ﷺ نے جلانے کا حکم دیا ہے اور سزا دینے کا حکم دیا ائمہ ثلاثہ کا مسلک یہ ہے کہ مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کے مال کو جلایا نہیں جائیگا اور نہ ہی اس کو غنیمت میں سے اس کے حصہ سے محروم کیا جائیگا بلکہ امام اسکو تعزیر کریگا تعزیر بھی اتنی کہ کسی حد شرعی کو نہ پہنچیں یعنی چالیس کوڑوں سے کم تعزیر کریگا کیونکہ اس میں شریعت کی طرف سے کوئی حد مقرر نہیں ہے، (بذل ص ۳۴/۴)

ائمہ ثلاثہ کی دلیل: حضرت زید بن خالد جہنی کی حدیث ہے کہ حضور ﷺ نے غال کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار فرما دیا تھا لیکن روایت میں اس کے سامان کو جلانے کے بارے میں کوئی تذکرہ نہیں ہے اگر جلانا ضروری ہوتا تو آگے اس کے سامان کو جلانے کا حکم فرماتے

(۲) حضرت جابرؓ کی حدیث ہے: **لیس فی الغلولِ قطع ولا نکال** اس کے علاوہ بھی وہ تمام روایات جن میں جلانے کا کوئی ذکر نہیں ہے ائمہ ثلاثہ کی متدل ہیں راجح قول یہ ہی ہے کہ اسکے سامان کو جلایا نہیں جائیگا اور یہ ہی جمہور کا مسلک ہے: امام احمد کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس میں صالح بن محمد ہیں جو ضعیف ہیں امام دار قطنی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کرنا بالکل غلط ہے بلکہ یہ سالم کا قول ہے:

ابوداؤد شریف ص ۴۷۳

(۹) سوال: عَنْ أبی ھریرۃؓ قال :قدمتُ المدینۃَورسول اللّٰہﷺ بِخیبرَ حینَ افتتَحَھَا،فسألتُہُ أن یُسھِمَ لِیْ، فَتکَلَّمَ بَعْضُ وُلدِسعیدِ بنِ العاصِ فقال: لاتَسْھَـم لـہٗ یارَسُول اللّٰہﷺقالَ فَقلتُ : ھٰذاقاتلُ بنِ قوقلٍ فقالَ سعیدُ بنُ العـاص :یـا عـجبـا لِـوَبَـرٍ قَدْ تدَلٰی علینا مِنْ قُدُومِ ضَالٍّ،یُعیرُنِیْ بِقَتلِ اِمْرءٍ مُسلمٍ أکرَمہُ اللّٰہ تَعالیٰ علیٰ یدیَّ،ولَم یُھنِیْ علیٰ یَدیْہِ.

(الف) عبارت بااعراب لکھ کر ترجمہ کیجئے اور مطلب بیان کیجئے:۔(ب) حدیث پاک سے مفہوم ہوتا ہے کہ خیبر کے فتح کے بعد جو صحابی آپﷺ سے مال غنیمت میں شرکت چاہتے تھے آپؐ نے ان کو شریک غنیمت نہیں کیا مگر دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوموسیٰ اشعریؓ اور دوسرے اصحاب سفینہ کو آپﷺ نے شریک کیا اس تضاد کو رفع کیجئے۔

(جواب الف) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ جس وقت حضورﷺ خیبر کے فتح ہونے کے بعد خیبر ہی مین تھے تو میں آپؐ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے بھی غنیمت میں سے حصّہ دیجئے ،اس پر سعید بن عاصؓ کے کسی صاحبزادے (مراد ابان بن سعید ہیں) نے کہا کہ یا رسول اللہ ابوہریرہؓ کو حصّہ نہ دیجئے ،حضرت ابوھریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یہ تو ابن قوقل کا قاتل ہے سعید بن العاص نے کہا کہ تعجب ہے ایک ایسے وبر پر جو ضال پہاڑ کی چوٹی سے اتر آیا ہے اور مجھے ایک ایسے مسلمان کے قتل کے بارے میں عار دلاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں عزت دی اور مجھے اس کے ہاتھوں ذلیل نہیں کیا۔

مطلب: اس روایت کی وضاحت فتح الباری ۴۴۳/۷ پر مسند احمد کے حوالے سے یہ

لکھی گئی ہے کہ حضرت ابوھریرہؓ نے کہا کہ میں اپنے یہاں سے جب آیا تو اس وقت آپ ﷺ خیبر روانہ ہو گئے تھے چنانچہ میں مدینہ سے خیبر ہی کی طرف چلا گیا اور جا کر دیکھا تو خیبر فتح ہو چکا تھا اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ میں نے غنیمت سے حصہ طلب کیا تو ابان بن سعید نے کہا کہ یا رسول اللہ اُن کو حصہ نہ دیجئے کیونکہ یہ لڑائی میں شریک نہیں تھے اس پر ابوھریرہؓ نے کہا یہ ابان جو مجھے حصہ دینے سے منع کر رہا ہے یہ تو ایک صحابی کا قاتل ہے یعنی اس نے تو قوقل کو قتل کر رکھا ہے کیونکہ ان کو جنگ بدر میں شہید کیا ابان بن سعید نے کہا کہ ایسے شخص کو تو خاموش رہنا چاہئے، حضرت ابو ہریرہؓ اپنے اس کلام سے ابان بن سعید کو عار دلا رہے ہیں تو ابان بن سعید نے جواب دیا کہ اس میں عار کی کیا بات ہے بلکہ اس میں تو میرے لئے عزت کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن قوقل کو میرے ہاتھوں شہید کروا کے عزت بخشی ہے، جس شخص کے ہاتھوں اللہ کسی کو عزت عطاء فرمائے وہ شخص خود معزز ہوتا ہے، البتہ اگر ابن قوقل اس دن مجھے قتل کر دیتے تو میرے لئے شرم کی بات ہوتی کیونکہ اس وقت میں مسلمان نہیں تھا (السح المحمود ۹/۱۵۸)

(ب) ۱۔ حضور ﷺ نے اصحاب سفینہ کو غنیمت سے حصہ نہیں دیا بلکہ خمس میں سے دیا تھا۔ ۲۔ اور اگر اصل غنیمت سے حصہ دیا ہے تو تمام مجاہدین کی رضا مندی سے دیا ہوگا۔

۳۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اصحاب سفینہ جس وقت خیبر پہنچے ہوں تو خیبر کی فتح مکمل نہ ہوئی ہو بلکہ بعض قلعے فتح ہو گئے ہوں اور بعض باقی ہوں لہذا اب یہ کہنا پڑیگا کہ اصحاب سفینہ خیبر کے دار الاسلام بننے سے پہلے ہی آ گئے تھے۔ (السح المحمود ص ۱۵۹۔ بذل ۴/۴۱)

ابوداؤد شریف ص ۳۷۵

(۱۰) سوال: عَنِ ابنِ عُمَرَؓ أَنَّ رَسولَ اللّٰهِ ﷺ أَسهَمَ لِرَجُلٍ وَلِفَرَسِهٖ ثَلٰثَةَ أَسهُمٍ سَهمًا لَهُ وَسَهمَينِ لِفَرَسِهٖ:.

(الف) حدیث بالا کا ترجمہ ومطلب باعراب لکھئے:۔(ب) راجل اور فارس کے بارے میں ائمہ کرام کے مذاہب مع دلائل لکھئے (ج) روایت مذکورہ امام ابوحنیفہؒ کے موافق ہے یا مخالف اگر مخالف ہے تو امام صاحبؒ کے دلائل لکھئے نیز حدیث مذکور کی توجیہ قابل قبول بیان کیجئے:

(جواب الف) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضورﷺ نے ایک شخص کو مع اس کے گھوڑے کے تین حصے دیئے ایک اس شخص کا اور دو حصے گھوڑے کے۔

مطلب۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس روایت میں آپﷺ نے فارس کو تین حصے دیئے، ایک حصہ مجاہد کا اور ۲ حصے اس کے گھوڑے کے

(ب) اگر مجاہد راجل (پیدل) ہے تو اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس کو ایک حصہ دیا جائیگا اور اگر مجاہد فارس (گھوڑے کے ساتھ) ہے تو اس کے حصہ دینے میں فقہاء کے مابین زبردست اختلاف ہے امام مالکؒ امام شافعیؒ امام احمدؒ اور امام اوزاعی وغیرہ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ فارس کو تین حصے ملیں گے ایک خود مجاہد کا اور دو حصے گھوڑے کے:۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ فارس کو دو حصے ملیں گے ایک حصہ مجاہد کا اور ایک اس کے گھوڑے کا۔

فریق اول کی دلیل۔ حدیث باب ہے:عن ابن عمرؓ الخ۔فریق ثانی کی دلیل ۔حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے اِنَّ رسول اللّٰه ﷺ جَعَلَ للفَارِسِ سَهْمَينِ وَللرَّاجِلِ سهمًا:ا لمسح المحمود ۱۷۶/۹۔

(ج) روایت مذکورہ امام ابوحنیفہؒ کے مخالف ہے دلیل ابن ابی شیبہ اور دار قطنی نے ابن عمر سے تخریج کی ہے اِنَّ رسول اللّٰه ﷺ جَعل للفارس سهمين وللراجل سهماً

۲۔ بخاری شریف باب سہام الفرس میں ہے اِنَّ علیه السلام جعل للفرس

سهمین ولصاحبه سهماً ۔اور کتاب المغازی میں ہے قَسَّمَ النبیؐ یوم خیبر للفَرسِ سهمین وللرّاجل سهماً: ان دونوں روایتوں کے صحیح معنیٰ یہ ہے کہ للفرس سهمین للفرس مع صاحبه کے معنیٰ میں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ فرس کو دوسری روایت میں راجل کے مقابلے میں لایا گیا ہے معلوم ہوا کہ فرس سے مراد فارس ہے۔اور سب سے اچھی توجیہ یہ ہے کہ حدیث الباب اور اس کے ہم معنیٰ روایات نفل اور تشجیعی انعام پر محمول ہیں غزوۂ خیبر دشوار غزوہ تھا اس لئے آپؐ نے ہمت افزائی کے طور پر فرس کو دو سہم دیے تھے اس طرح تمام روایات پر عمل ہو جاتا ہے۔

ابوداؤد شریف ص ۳۷۸

(۱۱) سوال:-عن حبیب بن مَسْلَمةَ الفهریّ یقول شهدتُ النبیَّ ﷺ ،نَفَّلَ الرُّبُعَ فی البَدْأةِ وَالثُّلُثَ فی الرَّجعَةِ :

(الف) نفل کا مطلب تحریر کریں بتلائیے کہ یہ حکم پورے لشکر کے لئے ہے یا اس میں سے کوئی سریہ ہو اس کے لئے ہے (ب) یہ حکم امام کے اعلان پر موقوف ہے یا عام ہے۔

(ج) اور یہ ثلث اور ربع بعد الخمس ہے یا بدون الخمس (د) حدیث کا مطلب جس سے فی البدأۃ والرجعۃ واضح ہو جائیں تحریر کریں:

(جواب الف) نفل کے معنیٰ ہے زیادتی، ہبہ، غنیمت کو بھی نفل کہتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے عطیہ اور ہبہ ہے، نفل نام ہے امام کا کسی جماعت کو اس کی مشقت اور کوشش کی وجہ سے اس کے حصّہ سے زیادہ مال دینا، پھر بعض اوقات لڑنا بہت ہی محنت کا کام ہوتا ہے اس میں زیادہ سعی اور زیادہ کوشش کرنی پڑتی ہے اور بعض اوقات میں محنت کم کرنی پڑتی ہے اس لئے امام محنت اور مشقت کو دیکھ کر ہی نفل دیتا ہے۔

حکم التنفیل عامٌ یہ حکم پورے لشکر کے لئے ہے کسی سریہ کہ ساتھ خاص نہیں ہے

إن حكم التنفيل ليس بمختص بسرية خرجت من العسكر بل هو يعم جميع العساكر۔القول المحمود ص ۲۷

(ب) یہ حکم امام کے اعلان پر موقوف نہیں ہے بلکہ اگر امام کسی کو اعلان کے بغیر دینا چاہے تو دے سکتا ہے أن هذا الحكم ليس بمتوقف على إعلام الامام بل يختار الامام أن ينفل من شاء علىٰ فعلِه وان لم يعلن :القول المحمود ص ۲۷۔

(ج) (۱) امام شافعیؒ کے نزدیک خمس الخمس جو امام کا حصہ ہے اس سے نفل دیا جائیگا (۲) امام مالکؒ کے نزدیک خمس سے دیا جائیگا (۳) امام اعظمؒ کے نزدیک اربعۃ اخماس سے نفل دیا جائیگا (۴) امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ اگر اعلان کر دیا کہ خمس کے بعد نفل دیا جائیگا تو خمس کے بعد ہی دیا جائیگا، ورنہ اصل غنیمت سے دیکر باقی مال کو سب پر برابر برابر تقسیم کر دیا جائیگا، اور جس کو نفل دیا ہے اس کو اصل غنیمت سے بھی حصہ دیا جائیگا۔(د) حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا معمول یہ تھا کہ فوج جب کسی قوم سے غزوہ کے لئے چل پڑتی تو اگر کسی مصلحت کی وجہ سے فوج کے کسی ٹکڑے اور سریہ کو کسی جگہ قتال کے لئے بھیجتے تو غزوہ کے لئے ابتداء خروج میں بھیجتے وقت نفل چوتھائی بعد الخمس دیتے تھے اور فوج کی واپسی کے وقت کسی سریہ کو روانہ کرتے وقت تو تہائی یعنی ابتداء کے مقابلہ میں زیادہ انعام دیتے تھے، اس لئے کہ نفل تحریض اور ابھارنے کے لئے ہوتا ہے، تو چونکہ ابتداء میں نشاط اور قوت ہوتی ہے اس لئے تحریض کی ضرورت کم ہوتی ہے اور غزوہ سے فراغت کے بعد لوٹتے ہوئے چونکہ ضعف آجاتا ہے اور عموماً زخم وغیرہ بھی آجاتے ہیں اور سارے لوگ گھر واپس آتے ہیں اس وقت دوسرے محاذ پر مقابلے اور قتال کے لئے جانے میں نفس پر زیادہ بار آتا ہے اس لئے زیادہ ابھارنے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے ایسے موقع پر انعام میں اضافہ فرماتے تھے اور ثلث دیتے تھے۔

ابوداؤد شریف ص ۳۷۸

(۱۲) سوال: عن عَمروبنِ شعیبٍ عن أبیه عن جَدّہٖ قال قال رسول اللّٰہِ ﷺ: المسلمون تتکأ فأدِماءُ ھُمْ یسعیٰ بِذِمَّتِھِمْ أدناھُم، یُجِیرُ عَلَیھِمْ أقصَاھُم، وَھُمْ یَدٌ عَلیٰ مَن سِواھُم یَرِدُ مُشِدَّھُم عَلیٰ مُضعِفِھِمْ وَمتَسَرِّیھِم عَلیٰ قَاعِدِھِمْ لا یُقْتَلُ مؤمِنٌ بِکَافِرٍ ولا ذُوعَھْدٍفی عھدِہٖ، وَلَمْ یَذْکُر بْنُ اسحٰق القودِ التکافی

(الف) عبارت با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں اور مطلب تحریر کریں (ب) ویُجِیرُ علیھم أقصَاھُمْ کے مفہوم میں اگر اختلاف ہوتو اس کو بیان کریں (ج) اسی طرح وَلاَیقتلُ مؤمِنٌ بِکافِرٍ میں اگر ائمہ کا اختلاف ہوتو وضاحت فرمائیں۔ (د) خط کشیدہ عبارت کا مطلب بیان کیجئے۔

(جواب الف) عمرو بن شعیب سے اور وہ اپنے والد سے اور شعیب اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کے خون برابر ہیں، ادنی مسلمان امن دے سکتا ہے (اور اس کے امن کو پورا کرنا ضروری ہے) دور کا رہنے والا پناہ دے سکتا ہے (اگر چہ اس سے نزدیک والا موجود ہو) ہر ایک مسلمان دوسرے کی مدد کرے اپنے مخالفین کے خلاف، زور آور سواریوں والے کمزور سواریوں والوں کے ساتھ رہیں، اور جب لشکر میں سے ٹکڑے نکالے جائیں اور وہ مال لائیں تو لشکر والوں کو بھی اس میں شریک کرلے، مسلمان کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے، اور نہ ہی ذمی کو اس کے عہد کے وقت قتل کیا جائے، اور ابن اسحاق نے قود اور تکافی کا ذکر نہیں کیا ہے

مطلب: المسلمون تتکأ فأدِمَاءَ ھُمْ: یعنی تمام مسلمانوں کے خون برابر ہیں

قصاص میں ہو یا دیت میں شریف اور وضیع کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں ہوتا تھا کہ اگر شریف یا اونچے خاندان کا کوئی شخص جرم کرتا تو اس کو سزا ہی نہ دی جاتی تھی اور اگر کوئی وضیع کم درجے کا جرم کرتا تو اس کو سزا دی جاتی تھی اسلام نے اس کی تفریق کو ختم کردیا

یسعیٰ بذمتهم أدناهم: ادنی مسلمان امن دے سکتا ہے یہاں پر ادنیٰ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک تو عدد کے اعتبار سے ادنیٰ یعنی کم اور دوسرے حیثیت کے اعتبار سے۔ پہلی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اگر ایک شخص بھی امان دیدے تو اس کے امان کو پورا کیا جائیگا :۔ دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اگر کم حیثیت کا آدمی مثلاً غلام یا عورت کسی کو پناہ دے تو اس کو تمام مسلمان پورا کرینگے۔

ویجیر علیهم أقصاهم: دور کا رہنے والا مسلمان پناہ دے سکتا ہے اگر چہ نزدیک والا موجود ہو، مثلاً زید کے برابر میں ایک کافر کا گھر ہے اور عمر کا گھر زید سے دس مکانوں کے فاصلے پر ہے تو عمر کو حق ہے کہ اس کافر کو پناہ دے دے جو زید کے برابر میں رہتا ہے، اگر چہ عمر اس سے کافی دور ہے،

وَهُمْ یَدٌ علیٰ مَن سِواهُمْ: ہر ایک مسلمان کو چاہئے کہ وہ دوسرے مسلمان کی مدد کرے اگر کافروں کے خلاف مسلمانوں سے لڑائی کی اپیل کی جائے تو سب مسلمانوں کو جانا ضروری ہے اور جب مدد مانگی جائے تو ایک دوسرے کو مدد دینا ضروری ہے۔

یَردمُشِدُّهم علیٰ مضعفهم: اس جملے کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ جنگ میں کچھ لوگ طاقتور ہوتے ہیں اور کچھ کمزور وضعیف تو طاقتوروں کو جو غنیمت ملے اس میں کمزور بھی شامل ہونگے دوسرا مطلب یہ ہے کہ مُشِدٌّ سے مراد وہ شخص ہے جس کی اونٹنی اور سواری اچھی ہو اور مضعف سے مراد وہ شخص ہے جس کی سواری کمزور ہو۔ اب معنی یہ ہونگے کہ جن کی سواریاں اچھی اور تیز چلنے والی ہوں ان کو کمزور سواریوں والوں کے ساتھ رہنا چاہئے۔

ومُتسریھم علیٰ قاعدِ ھم متسریھم سے مراد سریہ میں جانے والے ہیں، اور قاعدہم سے مراد جیش والے ہیں جو دارالحرب میں مقیم ہوں۔اور مطلب یہ ہے کہ سریہ میں جانے والے حضرات جو غنیمت لیکر آئیں اس میں سے دارالحرب میں مقیم لشکر کو بھی اس کا حصہ دیا جائیگا:

لا یقتل مؤمن بکافر ولا ذوعھد فی عھدہٖ مؤمن کو کافر کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے،اور نہ ہی ذمی کو اس کے عہد کے وقت میں۔

(ب) قال صاحب (بذل المجھود) أئیی : یجیر علی المسلیمن اقصاھم فی الرتبة کا العبد الماذون فی القتال ،فا الأدنی کا الأعلیٰ یعطی الأمان لمن شاء او معناہ أن بعض المسلمین وان کان قاضی الدار عن بلاد الکفر إذا عقدٌ للکافر عقداً فی الأمان لم یکن لأحدنقضه وإن کا ن أقرب داراً من المعقود لهٗ ،حاشیه ابی داؤد،

(ج)لا یقتل مؤمن بکافر الخ:اس عبارت میں دو جز ہیں ایک لا یقتل مؤمن بکافر اور دوسرا جزء ہے ولاذو عھد فی عھدہٖ: اب فقہاء کرام کے درمیان اس عبارت کو سمجھنے میں اختلاف ہوگیا ہے کہ اس عبارت کے یہ دونوں جزء الگ الگ ہیں کہ دوسرے جملے کا پہلے جملے سے کوئی تعلق نہیں یا دونوں جز الگ الگ نہیں ہے ایک ہے۔ائمہ ثلاثہؒ فرماتے ہیں کہ یہ دو جملے ہیں اور پہلے جملے یعنی لا یقتل مؤمن بکافر کا دوسرے جملے ولا ذوعہد فی عہدہٖ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ دونوں جملوں میں باہم ربط ہے جو حکم پہلے جملے لا یُقتل الخ کا ہے وہ ہی حکم ولا ذوعہد الخ کا ہے۔ثمرۂ اختلاف یہ ہوگا کہ اگر کسی مسلمان نے حربی کافر کو قتل کر دیا تو اس کے بدلے میں مسلمان قاتل کو بالاتفاق قتل نہیں کیا جائیگا لیکن اگر کوئی مسلمان ذمی کو قتل کردے تو مسلمان قاتل کو قصاصاً قتل کیا جائیگا یا نہیں۔اب جو حضرات دونوں جملوں کو الگ الگ مانتے ہیں تو وہ کہتے

ہیں مسلمان قاتل کو ذمی کے قصاص میں قتل نہیں کیا جائیگا اور جو حضرات دونوں جملوں کو باہم مربوط مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ مسلمان قاتل کو ذمی کے قصاص میں قتل کیا جائیگا۔فریق اول کی دلیل: لایقتل مؤمن بکافر الخ میں کافر سے مراد عام کافر ہے خواہ وہ حربی ہو یا ذمی ہو یا مستامن ہو یا معاہد ہو کسی کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جائیگا۔فریق ثانی کی دلیل! قال قتل النبی ﷺ مسلماً بمعاہد وقال علیہ السلام أنا أحق من وفی بذمتہ۔

(د)ولم یذکر ابن اسحق الخ کا مطلب یہ ہے کہ اس روایت کو عمرو بن شعیب سے ابن اسحق اور یحیٰ بن سعید نقل کرتے ہیں لیکن یہ الفاظ یحیٰ بن سعید کے ہیں ابن اسحق کی روایت اس روایت سے کم ہے اور اس میں دو جملے نہیں ہیں ایک تو قود یعنی **لایقتل مؤمن بکافر الخ** اور ایک **المسلمون تتکأ فادمائھم**"

ابوداؤد شریف ص ۳۷۸

(۱۳) سوال: قال رسول اللہ ﷺ الخ

(الف) حدیث پاک پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے اور مطلب بیان کیجئے (ب) امان دینے کے شرائط کیا ہیں (ج) لایقتل مؤمن بکافر سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤمن کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائیگا اگر یہ حدیث حنفیہ کے خلاف ہو تو قابل قبول جواب دینے کی سعی کریں

(جواب الف) سوال نمبر۱۲ میں گزر گیا ہے

(ب) صحت امان کے لئے عقل، اور اسلام شرط ہے لہذا صبی، مجنون، اور کافر کی امان صحیح نہیں ہے اور حریت صحت امان کے لئے شرط نہیں ہے لہذا عبد ماذون فی القتال کی امان بالاجماع صحیح ہے۔

(ج) اس حدیث کا جواب اس طرح دیا جاتا ہے کہ **لا یقتل مؤمن بکافر** اور

ولا ذو عهد فی عهدہٖ دونوں جملے الگ الگ نہیں ہے بلکہ دونوں ایک دوسرے سے باہم مربوط ہیں اور دونوں کا ایک ہی حکم ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ پہلا جملہ معطوف علیہ ہے اور دوسرا جملہ معطوف اب ولا ذو عہد کا عطف بکافر پر تو ہو نہیں سکتا ہے کیونکہ اگر بکافر مانیں تو اس کو منصوب یعنی ذی عہد ہونا چاہئے تھا تو لامحالہ مؤمن پر عطف مانیں گے اور عبارت یوں ہوگی لا یُقتل مؤمن بکافر ولا ذو عهد فی عهدہٖ بکافر اور کافر سے مراد حربی ہوگا کیونکہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ہوتی ہے لہذا اب عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان کو کافر حربی کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے اور ذو عہد کو بھی کافر حربی کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے (السح المحمود ص ۱۹۹ ج ۹)

ابوداؤد شریف ص ۳۸۵

(۱۴) سوال: عن سمرة بن جندب أمّا بعد ! قال رسول الله ﷺ : مَن جَامَع المشركَ وَسَكَنَ مَعَهُ فإنَّهُ مثلُهُ :

(الف) حدیث کا ترجمہ و مطلب بیان کیجئے (ب) فإنّه مثلُه کی ایسی توجیہ کیجئے کہ اہل حق کے مسلک کے خلاف نہ ہو (ج) نیز فرمایئے کہ حضرت امام ابوداؤدؒ سمرہ بن جندب کی حدیث میں أمّا بعد سے کس چیز کی طرف اشارہ فرماتے ہیں سمجھ کر تحریر فرمائیں۔

(جواب الف) حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مشرک کے ساتھ بیٹھے اٹھے اور اس کے ساتھ سکونت اختیار کر لے وہ اسی کے مثل ہے۔

اس حدیث شریف کا آسان مطلب یہ ہے کہ جو شخص مشرکین کے ساتھ رسوم و عادات؟، شکل و صورت، رہن و سہن، اور دیگر چیزوں میں موافقت کرے تو قریب ہے کہ وہ بھی مشرک ہو جائے کیونکہ صحبت کا ایک غیر معمولی اثر ہوتا ہے اچھے لوگوں کی صحبت انسان کو اچھا بنا دیتی ہے اور برے لوگوں کی صحبت انسان کو برا بنا دیتی ہے۔

(ب)فـإنـه مثـلـه اس میں سکونت مع المشرک پرمرتب ہونے والے اثر اور نتیجہ کو بیان کیا گیا ہے کہ جوار اور صحبت کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ یہ بھی اس کے مثل ہو جائے اس لئے کہ آدمی جس ماحول میں رہتا ہے اس کا خاص اثر پڑتا ہے اسی لئے فساق کی مجلس سے روکا گیا ہے اور ابرار کی مجلس میں شرکت کی ترغیب دی گئی ہے۔

یہ تغلیظ اور تشدید پر محمول ہے تاکہ لوگ مشرک کی صحبت سے علیحدہ رہیں اور ان سے نفرت رکھیں۔

اس حدیث شریف سے یہ اصول مترشح ہوتا ہے کہ دارالحرب سے ہجرت کر کے دارالاسلام چلے جانا چاہئے، جہاں شرائع اسلام کو آزادی سے پورا کیا جاسکے:

فـا نـه مثـلـه : ای یقـارب أن یـصیر مثلا له لتاثیر الجوار والصّحبَة و یـحتمل أنه تغلیظ وحمله علىٰ الظاهر بعید واللّٰه اعلم : قال بعض العلماء هٰـذا مـحـمـول علىٰ موضع به یجب فیه الهجرة دون ما یستحب فیه، او محمول علی التشدید مطلقًا (حاشیه ابی داؤد ص۳۸۵)

(ج)أمـابعد :سمرہ بن جندبؓ نے اپنے بیٹوں کو ایک نوشتہ لکھ کر بھیجا تھا جس میں اَما بعد کہکر حدیثیں بیان کی تھیں، جن میں سے چھ حدیثیں ابوداؤد میں ہیں اور چونکہ یہ روایت دوسری سندوں سے بھی مروی ہے اسلئے امام ابوداؤدؒ امتیاز کے لئے اَما بعد بڑھادیتے ہیں:۔

ابوداؤد شریف ص ۳۸۷

(۱۵) سـوال: عَـنْ أبِی حُمَید الرعینیُّ قال أخبَرَنِی یَزِیدٌ ذو مصرقال أتیتُ عتبةَ ابـنِ عبـدِ السَّـلَـمِیِّ فـقـلـتُ: یَا ابا الولید اِنّی خَرجتُ اَلْتمِسُ الضحایا، فَلَمْ أجدشیئاً یُعْجِبُنِی ،غَیْرَ ثَر ماء فکرِهتُها ،فما تقول فقال : أفَلا جِئْتَنِـی بهـا ،قـلـتُ سبحان اللّٰه تَجُوزُ عَنْکَ وَلا تجوز عَنّی ،قال : نعم ،

أَنَّکَ تَشُکُّ وَلَا أَشُکُّ ، إِنَّمَا نَهٰی رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ عَنِ الْمُصْفَرَةِ، وَالْمُسْتَأْصَلَةِ ، وَالْبَخْقَاءِ ، وَالْمُشَیَّعَةِ وَالْکَسْرَاءِ :

(الف) حدیث پاک با اعراب لکھکر ترجمہ و مطلب بیان کیجئے۔

(جواب الف) حضرت یزید ذو مصر سے روایت کرتے ہیں کہ میں عتبہ بن عبد سلمی کے پاس آیا، اور عرض کیا کہ اے ابوالولید میں قربانی کے لئے جانور تلاش کرنے گیا تھا، تو مجھے کوئی ایسا جانور نہیں ملا جو مجھے پسند ہو، سوائے ایک ایسی بکری کے جس کے دانت گر گئے تھے، مین نے اسے اچھا نہیں سمجھا اب آپ کی کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا آپ اس کو میرے پاس کیوں نہ لے آئے میں نے کہا کہ سبحان اللہ، تمہارے لئے درست ہو جائے اور میرے لئے درست نہ ہو، انہوں نے جواب میں کہا کہ ہاں، چونکہ تم کو شک ہے، اور مجھے اس میں شک نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے صرف مصفرہ، متاصلہ، بخقاء مشیعہ اور کسراء کی قربانی کرنے سے منع کیا ہے (اور ثرماء کی قربانی سے منع نہیں کیا ہے)

مطلب الْمُصْفَرَةُ اصفار از باب افعال اسم مفعول ہے معناہ خالی کرنا: مطلب یہ ہے کہ کان بالکل جڑ سے کاٹ دے جائے کہ کان کا سوراخ بالکل ظاہر نظر آنے لگے اور چونکہ کان کے سوراخ خالی ہوتے ہیں اس لئے مصفرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، مستأصلة (استفعال) کسی چیز کو جڑ سے ختم کر دینا، یہاں پر وہ جانور مراد ہے جس کے سینگ بالکل جڑ سے اکھاڑ دیئے گئے ہوں بخقاء (ف) آنکھ کا کانا ہونا، آنکھ کی بینائی کا سلب ہو جانا ہر اس آنکھ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جس کی بینائی سلب ہوگئی ہو اور آنکھ بدستور باقی ہو۔ مشیعة (تفعیل) مکان تک پہنچانے کے لئے ہمراہ جانا یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے مراد وہ بکری ہے جس کے ساتھ ہنکانے والا ہو یعنی وہ ضعف کی وجہ سے دوسری بکریوں کے ساتھ چلنے پر قادر نہ ہو۔

کسراء (ض) بروزن حمراء اور یہ یہاں پر کسیرۃ کے معنی میں ہے یعنی وہ بکری جس

کے ہاتھ پیر ٹوٹ گئے ہوں۔

اس حدیث شریف میں پانچ جانوروں کی قربانی کے احکام بیان کئے گئے ہیں کہ ان جانوروں کی قربانی ناجائز ہے اور مکروہ ہے اس حدیث میں ایک لفظ آیا ہے ثرماء جس کی وضاحت یہ ہے کہ جس جانور کے اتنے دانت ٹوٹ جائیں کہ اب وہ گھاس وغیرہ نہیں کھا سکتا تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے ہاں اگر وہ گھاس وغیرہ کھا سکتا ہے یعنی اکثر دانت موجود ہیں تو اس کی قربانی جائز ہے: شامی ج ۴ ص ۴۶۹۔ الحسن المحمود ج ۹ ص ۲۷۶۔

ابوداؤد شریف ص ۳۸۸

(۱۶) سوال: عن عليٍّ قال أمَرَنا رسول اللهِ ﷺ أن نستَشْرِفَ الْعَيْنَ والأذنَ ،وَلاَ نُضَحِيَّ بِعَوْراء، ولامُقا بَلَةٍ ،ولا مُدابَرةٍ، ولاخَرْقاءَ، ولاشَرْقاء:

(الف) حدیث پاک کو با اعراب لکھ کر ترجمہ کریں، (ب) مطلب باوضاحت لکھیں۔

(جواب الف) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم فرمایا ہے کہ قربانی کے جانور کی آنکھ اور کان کو ہم اچھی طرح دیکھیں (تا کہ اس میں ایسا نقص نہ ہو کہ جس کی وجہ سے قربانی جائز نہ ہو اور یہ بھی فرمایا کہ ہم کانے جانور کی قربانی نہ کریں، اور نہ اس کی قربانی کریں جس کا کان آگے سے یا پیچھے سے کٹا ہوا ہو۔ اور نہ اس جانور کی قربانی کریں جس کے کان گول پھٹے ہوں، یا لمبائی میں چرے ہوئے ہوں، (ب) أن نستشرف العين و الأذن ۔استشراف، غور اور تأمل کے ساتھ دیکھنا۔ یعنی آنکھ اور کان کے عیوب کو غور سے دیکھیں خرقاء جس کے کان میں گول سوراخ کر دیا گیا ہو۔ شرقاء بالمد مشقوقة الأذن طولا شرق سے ماخوذ ہے جس کا کان طولاً پھاڑ دیا گیا ہو،

"الشرقاء قيل ما قطع اذنها طولا عضباء معناه مكسورة القرن ومقطوعة الأذن" صاحب النہایہ کہتے ہیں کہ عضب کا استعمال اذن کے مقابلہ میں قرن

میں زیادہ ہوتا ہے۔

اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے مذکورہ جانوروں کی قربانی کرنے سے منع فرمایا ہے،اسی سوال میں عتبہ بن عبد السلمی والی روایت ہے اس کا جواب سوال نمبر ۱۵ ار میں گذر گیا ہے۔

ابوداؤد شریف ص ۳۸۹

(۱۷) سوال: حدثنا هارونُ بنُ عبدِ اللّٰه قال نا حمادُ بنُ مسعدةَ عَن عَوف عَن أبي رَيْحَانَةَ عَن ابنِ عباس قال :نهىٰ رسولُ اللّٰهِ صلى اللّٰهُ عليه وسلم عَن مُعَاقَرَةِ الأعرابِ قَالَ ابو دَاؤدَ: غُنْدُرٌ أوقَفَهُ عَلىٰ ابنِ عَبّاسٍ، قَالَ ابو دَاؤدَ اِسم أبي رَيْحَانَةَ عبد اللّٰه بنُ مَطَرٍ

(الف) حدیث پاک پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے؟ (ب) ابوداؤد کے قول کی تشریح فرما کر مرفوع موقوف اور مقطوع کی تعریف کیجئے اور معاقرۃ الأعراب کی وضاحت کرتے ہوئے نہی کی علت بیان کردیں۔

(جواب الف) حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے معاقرۃ الأعراب (وہ جانور جن کو اہل عرب تفاخر کے طور پر کاٹتے تھے) سے منع فرمایا امام ابوداؤد نے کہا کہ غندر نے اس روایت کو حضرت ابن عباس پر موقوف کیا ہے، امام ابوداؤد نے کہا کہ ابوریحانہ کا نام عبداللہ بن مطر ہے:

(ب) قال ابوداؤد امام ابوداؤد یہاں سے یہ بیان فرمارہے ہیں کہ یہ حدیث اس سند سے مرفوع ہے، لیکن غندر یعنی محمد بن جعفر اس حدیث کو موقوفاً نقل کرتے ہیں، تو گویا یہ حدیث دونوں طرح ثابت ہے موقوفاً بھی اور مرفوعاً بھی تو امام ابوداؤد اس حدیث کے مرفوع اور موقوف دونوں طرح ثابت ہونے کو بتلارہے ہیں،

قال ابوداؤد: دوسرے قال ابوداؤد سے ایک راوی ابوریحانہ ہیں جن کا ذکر سند میں آیا ہے ان کے اصل نام کی طرف توجہ دلادی کہ ابوریحانہ تو ان کی کنیت ہے اصل نام عبداللہ بن مطر ہے۔

مرفوع :ماانتهى الى البنى ﷺ يقال له المرفوع"

حديث موقوف: وما انتهى الى الصحابى يقال له الموقوف"

حديث مقطوع: وماانتهى الى التابعى يقال له المقطوع .

معاقرۃ الأعراب: معاقرۃ (مفاعلت) اونٹ وغیرہ کوذبح کرنے میں ایک دوسرے پر فخر کرنا، اصل میں یہ عقر سے ہے (ض) بمعنی زخم لگانا، اونٹ کے ہاتھ پیر کاٹنا،

عربوں کے یہاں دستور تھا کہ لوگ فخر کے طور پر اونٹوں کوذبح کرتے تھے، اگر ایک شخص نے ایک اونٹ ذبح کردیا تو دوسرا شخص بھی اسی کی طرح فخر اور ریاء کے طور پر اونٹ ذبح کرتا تھا، پھر پہلا شخص ایک اونٹ اور ذبح کردیتا تھا، تو دوسرا بھی ایک اور ذبح کردیتا تھا، اس طرح آپس میں ضد رہتی تھی، یہاں تک کہ ان میں سے ایک عاجز آجاتا تھا، اور یہ سب کچھ اپنی بڑائی تکبر سخاوت کے اظہار میں ہوتا تھا، اللہ کی رضاء کا کوئی پہلو اس میں نہیں ہوتا تھا، اس لئے اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر ﷺ کی زبانی ایسے اونٹوں کے گوشت کو کھانے سے منع فرمایا اور ایسے فعل سے منع فرمایا، کیونکہ اس میں اللہ تعالی کی تعظیم تو ہوتی نہیں تھی، بلکہ غیر اللہ کی تعظیم میں ہی سب کچھ ہوتا تھا، اور یہ "**وَمَا أُهِلَّ لِغَيرِ اللّٰه**" کا مصداق تھا، یہ ہی معاقرۃ الاعراب کا مطلب ہے،

علۃ النھی: نہی کی علت یہ ہے کہ یہ مقابلہ محض اراقہ دم میں ہوتا تھا نہ کہ گوشت خوری میں اور صرف اراقہ دم بغیر گوشت خوری کی نیت کے صرف تین جائز ہیں، ہدی، اضحیہ، اور عقیقہ، اور چونکہ ان صورتوں کے علاوہ میں محض اراقہ دم جائز نہیں ہے (القول المحمود ص ۳۲ حاشیہ ابی داؤد)

ابوداؤد شریف ص ۳۹۰

(۱۸) سوال: عَن أبِی العشراء عن أبیه أنه قال :یارسولَ اللّٰهﷺ أماتکونُ الذکاةُ اِلّا مِنَ اللَّبَّةِ أوالحَلَقِ قال: فقالَ رسولُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ طَعَنْتَ فی فَخِذِ هَا لَأَجْزَأَ عَنکَ

(الف) عبارت بااعراب لکھکر ترجمہ ومطلب تحریر کریں۔

(ب) ابوداؤد نے اس حدیث کی کیا توضیح کی ہے (ج) ذبح اختیاری میں ذبح کی کیا صورت ہوتی ہے اور غیر اختیاری میں کیا تفصیل سے تحریر کریں۔

(جواب الف) ابوالعشر اء سے روایت ہے کہ ان کے والد نے کہا کہ یارسول اللہؐ کیا لبّہ اور حلق کے علاوہ میں ذکاۃ نہیں ہوسکتی آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو اسکی ران پر نیزہ مارے تو بھی کافی ہے۔

مطلب اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اس میں آپؐ سے سوال کیا گیا کہ کیا لبّہ اور حلق کے علاوہ میں ذکاۃ نہیں ہوسکتی تو اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو اس کی ران پر نیزہ مارے تو بھی وہ کافی ہے پس معلوم یہ ہوا کہ فخذ (ران) میں تیر مارنا بھی ذبح کے لئے کافی ہے جب کہ خون بہہ جائے خواہ جانور پالتو ہو یا متوحش ہو، لیکن یہ بات اجماع امت اور تمام صحیح روایات کے خلاف ہے۔

(ب) قال ابوداؤد لایَصْلُحُ هٰذا الا فی الْمَتَرَدِّیَةِوالْمُتَوَحِّشِ" امام ابوداؤد نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ اس کو متردیہ اور متوحش پر محمول کرلیا لیکن امام ابوداؤد کی یہ تاویل جب ہی صحیح ہوسکتی ہے، جبکہ موت کا اصل سبب زخم کرنا ہی ہو، اور اگر زخم لگانا کے بعد زندہ پکڑا اور قدرت علی الذبح کے باوجود ذبح نہیں کیا، یا اسکے ساتھ دوسرا کوئی سبب پایا گیا، تو اس کا کھانا حرام ہوگا۔ اب ہم نے صورت مذکورہ میں دیکھا کہ متردیہ جو

جانور اوپر سے گرا ہے اور اس کو تیر مار دیا، تو اب یہاں دو سبب جمع ہو گئے ایک محرم اور ایک مبیح یعنی اوپر سے گرنا یہ سبب محرم ہے اور تیر مارنا سبب مبیح ہے، اور یہ ضابطہ ہے کہ جب موت کے دو ایسے سبب جمع ہو جائیں کہ ایک حلت کا تقاضا کرے اور دوسرا حرمت کا متقاضی ہو تو اس وقت سبب محرم کو ہی ترجیح دی جائے گی۔ (شامی۔ ۶ ۲/۷ ۴ کراچی)

اس لئے یہاں پر متردیہ جانور کے بارے میں امام ابوداؤد کی مذکورہ تاویل مفید نہیں ہوگی کیونکہ جو جانور اوپر سے گرا ہے اور جان باقی ہے تو اس میں ذبح اختیاری ہوگا، ران (فخذ) میں تیر مارنا کافی نہیں ہوگا، رہا مسئلہ متوحش کا تو امام ابوداؤد کی مذکورہ تاویل اس کے بارے میں بالکل صحیح ہے۔ (بذل ۴/۱۸۱ السمح المحمود ص ۳۰۵/ ۹)

(ج) اختیاری، وہ جانور ہے جو انسان کے قابو میں ہیں ان میں ذبح اختیاری ضروری ہے اور ذبح اختیاری کا محل لبّہ اور حلق ہے **فلا یجوز الذکاۃ فیھا الا فی الحلق واللبّة**

اضطراری، وہ جانور ہے جو انسان کے قابو میں نہیں آتے ہیں جیسے صید اور جو صید کے حکم میں ہے مثلاً گھریلو جانور یعنی بقر اور ابل وغیرہ متوحش ہو جائیں تو وہ صید کے حکم میں ہو نگے اور ذبح اضطراری میں جمیع بدن محل ذبح ہے جس کے کسی حصہ میں زخم لگا دے اور خون نکل آئے تو وہ حلال ہے یہ مسئلہ اجماعی ہے۔

ابوداؤد شریف ص ۳۹۱

(۱۹) سوال: **عن ابی سعیدٍ قال : سألتُ رسول الله ﷺ عَنِ جَنِیْنٍ. فقال کُلُوہُ ان شئتُم ، وقال مُسَدَّدٌ :فَقُلنا یا رسول الله ، نَنحَرُ النَّاقةَ وَنذْبَحُ البَقَرَةَ والشَّاةَ فَنجِدُ فِی بَطنِھاَ الجَنِینَ أنُلقِیهِ ام نَأکُل.قال: کُلُوہُ اِنْ شِئْتُمْ فَاِنَّ ذَکَاتَهُ ذَکَاةُ اُمِّهٖ.**

(الف) حدیث با اعراب لکھ کر ترجمہ کیجئے اور مطلب بیان کیجئے (ب) حاملہ جانور کے ذبح کرنے سے جنین کا ذبح متحقق ہوگا یا نہیں اس مسئلہ میں ائمہ کرام کے مذاہب مع دلائل لکھئے۔ (ج) نیز یہ بتائیے کہ ائمہ کرام کا اختلاف جنین کے مردہ ہونے کی شکل میں ہے یا زندہ پیدا ہونے میں بھی۔

(جواب الف) حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے جنین کے بارے میں پوچھا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر چاہو تو اس کو کھالو، مسدد نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم اپنی اونٹنی کا نحر کرتے ہیں اور بکری اور گائے کو ذبح کرتے ہیں تو ہمیں اس کے پیٹ میں جنین ملتا ہے، ہم اس کو پھینک دیں یا کھالیں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر چاہوں تو کھالو کیونکہ اس کی زکاۃ اس کی ماں کی زکاۃ ہے۔

مطلب حدیث شریف کا مطلب واضح ہے ترجمہ سے:

(ب) حاملہ جانور کے ذبح کرنے سے جنین کا ذبح متحقق ہوگا یا نہیں اس میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے ائمہ ثلاثہ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ جنین کا ذبح متحقق ہوجائے گا یعنی اس کا کھانا حلال ہے، دلیل ایک تو یہ ہی حدیث باب **کلوہ اِنْ شئتُم** ہے ثانی **ذکاۃُ الجنین ذکاۃ اُمہ** ان دونوں روایتوں سے ائمہ ثلاثہ نے استدلال کیا ہے پہلی روایت سے تو اس طور پر کہ حضور ﷺ نے صراحۃً ارشاد فرمایا کہ تم اس کو کھالو، جو حلت کی واضح دلیل ہے اور دوسری روایت سے استدلال اس طرح ہے کہ **ذکاۃ الجنین ذکاۃ اُمہ** میں نیابت کے معنی ہے یعنی **ذکاۃ الأم نائبۃ من ذکاۃ الجنین**، جیسے لسان الوزیر لسان الامیر

(۳) ذبح کی بنیاد طاقت اور وسعت پر ہے، جو بچہ ماں کے پیٹ میں ہے بندے کو اس کے ذبح کرنے پر اتنی ہی قدرت ہے کہ وہ صرف اس کی ماں کو ذبح کردے کیونکہ پیٹ میں ذبح کرنا امر ناممکن ہے

(۴) جنین حقیقتاً وحکماً ماں کا جزء ہے اور ماں کے تمام اجزاء کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تو جنین کو بھی الگ سے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی: کیونکہ وہ تمام اجزاء کی طرح ایک جزء ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جنین کا ذبح متحقق نہیں ہوگا یعنی اس کا کھانا حرام ہے

حنفیہ کے دلائل: **حُرِّمَتْ عَلَيكم الميتَةُ والدَّمُ ولحمُ الخِنزيرِ ومَا أُهِلَّ لغَيرِ اللّٰه بِه وَالمُنْخَنِقَةُ الخ:** اس آیت کریمہ میں منخقہ کو حرام قرار دیا گیا ہے اور جنین بھی منخقہ ہے، کیونکہ جب جنین کی ماں کو ذبح کیا جائیگا تو اس جنین کا سانس بند ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کا دم گھٹ جاتا ہے، اور یہ مرجاتا ہے، اور منخقہ نام ہی ہے اس جانور کا جو دم گھٹنے کی وجہ سے مرجائے، لہذا یہ قرآن کی اس آیت کی رو سے حرام ہے

(۲) **عن أبي إبراهيم النخعي: أنه قال لايكون ذكاة نفسٍ ذكاة نفسين:** اس میں صراحت ہے کہ ایک نفس کی ذکاۃ دو نفسوں کے قائم مقام نہیں ہوسکتی اور یہاں پر یہ بات بالکل واضح ہے کہ جنین بھی ایک جاندار اور نفس ہے لہذا اس کی ماں کی ذکاۃ اس کے قائم مقام نہ ہوگی۔

(۳) حضورؐ نے مردہ جنین کو اپنے ارشاد "**أُحِلَّتْ لنَا مَيتَتَانِ وَدَمَان**" میں داخل نہیں کیا اگر یہ حلال ہوتا تو اس کو داخل کیا جاتا۔

ائمہ ثلاثہ اور صاحبین کے دلائل کا جواب "**كلوهُ إن شئتم الخ**: کا جواب یہ ہے کہ یہاں جنین سے مراد زندہ ہے نہ کہ وہ جنین جو ماں کے پیٹ سے مرا ہوا نکلا ہو، اور مراد یہ ہے کہ "**اِذابحوا و كلوه إن شئتم**" کیوں کے بعض طبیعتوں کو ایسے بچے کے گوشت کے کھانے سے کراہت محسوس ہوتی ہے، جس کی ابھی ابھی پیدائش ہو، اس لئے حضورؐ نے إن شئتم کی قید لگادی، دوسری دلیل **ذكاة الجنين ذكاة أمه** کا جواب حنفیہ یہ دیتے ہیں، کہ یہ حدیث دو طریقے سے مروی ہے ایک یہ کہ بعض راویوں نے حدیث **ذكاة الجنين ذكاة**

أمـه ''کونصب کے ساتھ روایت کیا ہے اگر نصب والی روایت لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اصل میں یہ عبارت ''ذکـاۃ الجنین کذ کاۃ أمه'' ہے اور معنی یہ ہونگے کہ جنین کی ذکاۃ بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح ماں کی ذکاۃ فرض ہے۔ اور اگر اس روایت کو لیا جائے جس میں ذکـاۃ أمـه مرفوع ہے تو اس صورت میں بھی یہ توجیہ ہو جائے گی کہ اگر چہ یہاں پر حرف تشبیہ تو مذکور نہیں لیکن تشبیہ بلیغ ہے جس میں میں مشبہ بہ کو مشبہ پر محمول کیا جاتا ہے اور حرف تشبیہ کو حذف کر دیتے ہیں

تیسری دلیل کا جواب۔ انہوں نے جنین کو دوسرے اجزاء کی طرح ایک جز شمار کیا تو یہ شمار کرنا ہی صحیح نہیں ہے کیونکہ دوسرے اجزاء میں انفصال کے بعد زندہ رہنے کا وہم بھی پیدا نہیں ہوتا اور جنین بسا اوقات ماں کے ذبح کرنے کے بعد زندہ نکل آتا ہے۔

(ج) ائمہ کرام کا اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب ماں کو ذبح کیا جائے اور اسکے پیٹ سے ایسا بچہ نکلا جس میں تھوڑی سی رمق باقی تھی، لیکن اتنا وقت نہ ملا کہ اس کو مستقلا ذبح کر سکے اور وہ مر گیا۔ اسی طرح اگر ماں کو ذبح کرنے کے بعد تام الخلقت مردہ نکلے ان دونوں صورتوں میں ائمہ کا اختلاف ہے: (السحح المحمود ص ۹/۳۰۸)

ابوداؤد شریف ۳۹۱

(۲۰) سوال: عَن أبی الملیح قالَ: قالَ نُبَیْشَةُ: نادیٰ رجلٌ رسول ﷺ اِنّـا کنّا نَعْتِرُ عَتِیْرَةً فِي الجَا هِلِیَّةِ في رَجَبَ فَمَاتَأْمُرنا، قالَ اذْ بَحُوا لِلّٰهِ في أيِّ شَهْرٍ کـانَ وَ بَـرُّوا اللّٰـه وأطعِـمُـوا، قـال قـال :اِنّـا کُنّا نفرعُ فرعاً في الـجَـاهِـلِیَّة، فَـمَا تَأمُرُنَا ،قال: في کُلِّ سَائِمَةٍ فَرَعٌ تَغْذُوهٗ مَا شِیْتُکَ حتّیٰ اِذا اسْتَحْمَلَ، قال نصرٌ اسْتَجْمَلَ لِلحَجِیْج ذَبَحْتَهٗ فَتَصَدَّقْتَ بِلَحْمِهٖ

ا (الف) عبارت با اعراب لکھکر ترجمہ کیجئے۔

(ب) مطلب لکھتے ہوئے فرع وعتیرہ کی تعریف اور حکم تحریر کریں۔

(ج) اور بتائے کہ " قال نصرٌ استجمل لِحجیج" سے امام ابوداؤد کیا کہنا چاہتے ہیں

(جواب الف) ابوملیح روایت کرتے ہیں کہ نبیشہ نے کہا کہ ایک شخص نے حضور کو آواز دی، اور کہا کہ ہم زمانہ جاہلیت میں رجب میں جانور ذبح کرتے تھے، آپؐ اس وقت ہم کو کیا حکم دیتے ہیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نام پر ذبح کرو، خواہ کسی بھی مہینے میں ہو، اور اللہ کے لئے نیکی کرو، اور فقراء ومساکین کو کھلاؤ، نبیشہ کہتے ہیں کہ اس آدمی نے عرض کیا کہ ہم دور جاہلیت میں فرع ذبح کیا کرتے تھے، اب آپؐ اس کے بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہر سائمہ میں ایک

فرع ہے، جسکو تمہارا چوپایا غذا دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ بوجھ اٹھانے کے لائق ہوجائے، (دوسرے راوی) نصر نے کہا کہ وہ جمل ہوجائے، اور حاجیوں کو سوار کرنے کے قابل ہوجائے، تو تم اس کو ذبح کرو۔ اور اس کا گوشت صدقہ کرو۔

(ب) اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ کو آواز دی اور کہا کہ ہم زمانہ جاہلیت میں ماہ رجب میں بتوں کی تعظیم کیلئے ایک جانور ذبح کرتے تھے تو اب آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں، یعنی ہم اس کو اسلام میں چھوڑ دے یا اس کو کریں آپؐ نے فرمایا اللہ کے لئے ذبح کرو کوئی بھی مہینہ ہو اور اللہ کے لئے نیکی کرو اور فقراء ومساکین کو کھلاؤ، یعنی آپؐ نے طریقہ بدل دیا اور ذبح کا رخ موڑ دیا کہ دور جاہلیت میں اصنام کے نام پر ذبح کرتے تھے، اب اللہ کے نام پر ذبح کرو اور مالک سے تقرب حاصل کرو کسی ماہ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے، پھر آپؐ سے عرض کیا کہ ہم دور جاہلیت میں فرع ذبح کیا کرتے تھے تو اب آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں، یعنی ہم اس کو چھوڑ دے یا اس کو کریں اس کے جواب میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ ہر سائمہ میں ایک فرع ہے، پس اس حدیث سے یہ معلوم ہوا

کہ آپؐ نے فرع اور عتیرہ کا حکم دیا ہے۔

فرَعْ :اسکی تفسیر میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، (۱) جاہلیت کے زمانے میں یہ رواج تھا کہ جب کسی کی اونٹنی پہلا بچہ جنتی تو وہ لوگ اس پہلے بچہ کو اپنے بتوں کے نام پر قربان کیا کرتے تھے، لیکن جب اسلام آیا تو بتوں کے نام پر قربانی بند ہوگئی، لیکن پھر اللہ کے نام پر اس پہلے بچے کو قربان کیا کرتے تھے اسی کو فرع کہتے تھے۔ (۲) اکثر اہل لغت کہتے ہیں کہ اونٹنی سے جو پہلا بچہ پیدا ہوتا تھا، اس کو نسل میں برکت کے عقیدے کی وجہ سے ذبح کیا جاتا تھا، اسکو (فرع) کہتے تھے، مزید تفصیل کیلئے دیکھئے (السمح المحمود ص ۹/۳۱۶)

عتیرۃ (ض) ذبح کرنا، عتیرۃ فعیلۃ کے وزن پر ہے، وہ جانور جس کو ذبح کیا جائے، زمانہ جاہلیت میں ماہ رجب میں بتوں کی تعظیم کیلئے ایک جانور ذبح کرتے تھے، اس کو عتیرہ کہا جاتا تھا، اور چونکہ یہ رجب میں کیا کرتے تھے، اس لئے اس کو رجبیہ بھی کہا جاتا تھا۔ حکم :فرع اور عتیرہ کا حکم جمہور فرماتے ہیں کہ فرع وعتیرہ کی تمام روایات منسوخ ہیں اور اب فرع وعتیرہ غیر مشروع ہیں۔ (ج) امام ابوداؤد اس سے اس کی طاقت اور قوت کو بتلا رہے ہیں کہ وہ ایسا جوان اور طاقتور ہو جائے کہ اس سے سفر حج کیا جا سکے۔

ابوداؤد شریف ۱۳۹

(۲۱) سوال: عَن أبی هريرةؓ أنَّ النبیَّ صلی الله عليه وسلم قال لَا فَرَعَ وَ لَا عَتِيرَةَ نادیٰ رجلٌ رسولَ الله صلی الله عليه وسلم الخ.

(الف) ترجمہ کر کے مطلب تحریر کریں۔

(ب) اس حدیث میں فرع کا مفہوم کیا بتایا گیا ہے (ج) سائمہ کی مقدار ابو قلابہ کیا بتلاتے ہیں۔ (د) اور حدیث عائشہ میں کیا ذکر کیا گیا ہے۔ (ہ) وقال بعضہم میں بعض نے فرع کا کیا حکم بیان کیا ہے۔ (و) حدیث بالا میں فرع اور عتیرہ کی جو نفی کی گئی ہے اس

سے اس کے وجوب کا نسخ مراد ہے یا استحباب کا بھی

(جواب الف) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ (اسلام میں) فرع اور عتیرہ نہیں ہے، اس سوال میں نادیٰ رجلٌ والی حدیث کا ترجمہ اور مطلب سوال نمبر ۲۰ر میں گذر گیا

(ب) یہ سوال نمبر ۲۰ر میں گذر گیا ہے، (ج) سائمہ کی مقدار ابوقلابہ یہ بتلاتے ہیں کہ سو جانور ہوں تو فرع ہوتا ہے (یعنی ابو قلابہ نے سائمہ کی مقدار سو بتلائی ہے) (د) حدیث عائشہ میں پچاس بکریوں میں ایک بکری کو اللہ کے نام پر ذبح کرنے کا حکم فرمایا گیا ہے۔

(ہ) وقال بعضهم میں بعض نے فرع کا یہ حکم بیان کیا ہے کہ اونٹ کا سب سے پہلا بچہ جب پیدا ہوتا تھا تو کفار اس کو بتوں کے نام پر ذبح کر کے کھا لیتے تھے، اور اس کی کھال کو درخت پر ڈال دیتے تھے۔

(و) اس میں اختلاف ہے فقہاء کرام کے درمیان، امام شافعیؒ اور امام بیہقیؒ نے صرف وجوب کا نسخ مانا ہے استحباب کا نہیں، اور کہا کہ "لَافَرَعَ واجِبٌ وَعَتِيرَةَ واجبةٌ" لیکن باقی جمہور نے وجوب اور استحباب دونوں کا نسخ مراد لیا ہے۔

ابوداؤد شریف ۳۹۳

(۲۲) سوال: عَن عَدى بن حَاتِمٍ قال: سألتُ النبيَّ صلى الله عليه وسلم، قلتُ اِنّى اُرْسِلُ الكلابَ المُعَلَّمَةَ فَتُمْسِكُ عَلَيَّ أفَاكُلُ، قال: اِذا اَرْسَلْتَ الكَلاب المُعَلَّمَةَ وَذَكَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ، فَكُلْ مِمَّا اَمْسَكْنَ عَلَيْكَ قُلْتُ وَاِنْ قَتَلْنَ، قال وَاِنْ قَتَلْنَ مَا لَمْ يُشْرِكْها كَلْبٌ لَيْسَ مِنْها،

(الف) حدیث پاک پر اعراب لگا کر ترجمہ کیجئے (ب) باوضاحت مطلب لکھتے ہو

ئے کلب معلم کی تعریف بیان کیجئے (ج) نیز یہ ذکاۃ اضطرار یہ کب کافی ہے اور کس وقت ذبح اختیاری ضروری ہو جاتا ہے ، (د) اور کلب معلم کے ارسال کے وقت تسمیہ کے بارے میں ائمہ کے مذاہب مع دلائل تحریر کریں۔

(جواب الف) حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میں سدھائے ہوئے کتے کو چھوڑتا ہوں (شکار کے پیچھے) اور وہ شکار کو پکڑ لیتا ہے (اور کھاتا نہیں ہے) تو کیا میں اس کو کھالوں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑو اور بسم اللہ پڑھ لو تو جو شکار اس نے تمہارے لئے روک رکھا ہے اس کو کھالو، عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اگر چہ وہ اس شکار کو مار ڈالے (تو بھی حلال ہے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر چہ وہ مار ڈالیں، تو بھی حلال ہے، جب تک دوسرا غیر سدھایا ہوا کتا اس شکار کے مارنے میں شریک نہ ہوا ہو،

(ب) حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عدی بن حاتمؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ، ہم اپنے سدھائے ہوئے کتے جو شکار کے تربیب یافتہ ہوتے ہیں، شکار کرنے کے لئے چھوڑتے ہیں، جب کتے اس شکار کے جانور کو ہمارے پاس لاتے ہیں، تو بعض اوقات وہ جانور مر چکا ہوتا ہے، تو اب یہ شکار ہمارے لئے حلال ہوگا یا نہیں؟ حضور اقدس ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ جس جانور کو تمہارے کتے روک کر لائے ہوں اس کو تم کھا سکتے ہو، یعنی اگر کتے نے شکار کے جانور کو نہیں کھایا ہے، بلکہ اس کو تمہارے لئے روک کر رکھا ہے، لیکن اگر اس نے کچھ کھالیا ہے تو اس شکار کو تم نہیں کھا سکتے ہو، اسلئے کہ اس صورت میں وہ جانور ما اکل السبع میں داخل ہو جائیگا، اور اس کتے کا کھالینا اس بات کی دلیل ہوگی کہ وہ اپنے لئے شکار کر رہا ہے نہ کہ تمہارے لئے۔ پھر حضرت عدی بن حاتمؓ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ چاہے ان کتوں نے اس جانور کو قتل ہی کر دیا ہو اور ہمیں ذبح کرنے کا موقع نہ ملا ہو، تب بھی یہ ہی حکم ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اگر چہ

ان کتوں نے اس کو جان سے مار دیا ہو تب بھی تمہارے لئے حلال ہے جبکہ تم نے اپنا کتا شکار کی طرف بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا ہوا اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا کتا شریک نہ ہوا ہو، اور اگر دوسرا کتا شریک ہو گیا ہو تو تمہارے لئے وہ شکار حلال نہیں ہوگا، کیونکہ تم نے اپنے کتے پر بسم اللہ پڑھی ہے نا کہ دوسرے کتے پر جب کہ جانور دونوں کے مشترکہ حملہ سے ہلاک ہوا ہے، اس لئے یہ جانور تمہارے لئے حلال نہیں ہے۔

ألكلبِ المعلم

امام احمدؒ، صاحبین، اور امام اعظمؒ کا قول یہ ہے کہ کتے معلم ہونے کی تین شرطیں ہیں، (۱) بھیجنے سے چلا جائے اور روکنے سے رک جائے (۲) شکار نہ کھائے بلکہ مالک کے لئے روک کر رکھے، (۳) ان دونوں کاموں کا کم از کم تین مرتبہ تجربہ ہو جائے: امام مالک کے نزدیک صرف ایک شرط ہے بھیجا جائے تو چلا جائے اور روکا جائے تو رک جائے

امام شافعیؒ نے تعلیم کلب کا مدار عرف پر رکھا ہے کہ جب عرف میں اس کو معلم کہا جانے لگے تو معلم ہوگا ورنہ نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا اصل مذھب ہے کہ تعلیم کلب کا اعتبار مبتلی بہ کی رائے پر ہے۔

(ج) ذکاۃ اضطراری اس وقت ہے جب کلب معلم شکار کو مردہ لائے یا اتنی دیر تک زندہ نہ رہے کہ اس کو ذبح کیا جا سکے اور ذبح اختیاری اس وقت ہوگا جب اتنی دیر تک زندہ رہے کہ ذبح کیا جا سکے تو اس وقت ذبح اختیاری ضروری ہے۔

(د) کلب معلم کے ارسال کے وقت تسمیہ کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شکار ہو یا ذبیحہ بسم اللہ کا پڑھنا سنت ہے واجب نہیں۔ دلیل۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **حُرِّمت علیکم المیتة اِلیٰ قولہٖ اِلاّ ماذکیتم** اس آیت کریمہ میں مطلق ذکوۃ کو حلت کا سبب قرار دیا گیا ہے تسمیہ کی کوئی شرط نہیں ہے (۲) دلیل **قولہٖ علیہ السلام: المسلم یذبح علیٰ اسم اللہ تعالی سمّٰی أو لم یسم**

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ذبیحہ میں بسم اللہ پڑھنا شرط ہے حالت عمد میں اور حالت نسیان میں شرط نہیں لیکن شکار کی صورت میں حالت عمد ہو یا نسیان بسم اللہ کا پڑھنا شرط ہے۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حالت عمد میں بسم اللہ پڑھنا شرط ہے اور حالت نسیان میں نہیں خواہ ذبیحہ ہو یا شکار۔ دلیل۔ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیه وانّه لفسق یہ آیت کریمہ عمداً کی صورت کو شامل ہوگی کیونکہ اس میں وانہ لفسق کی قید کا بڑھانا اس بات کی دلیل ہے کہ ترک تسمیہ عمداً ہی مراد ہے، اس لئے کہ عمد کی صورت میں ہی فسق کرتا ہے ناسی تو مرفوع الحکم ہے۔

(۲) حضرت عدی بن حاتمؓ کی حدیث اِذا أرسلتَ کلبک المعلم وذکرت اسم اللہ علیه فَکُل الخ یہاں پر کتے کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنے کی شرط لگائی گئی ہے، امام مالک حالت عمد اور حالت نسیان میں بسم اللہ کو شرط قرار دیتے ہیں خواہ ذبیحہ ہو یا شکار۔ دلیل۔ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیه وانّه لفسق کے عموم سے استدلال کیا ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالی نے متروک التسمیہ کو مطلقا حرام قرار دیا ہے خواہ حالت عمد میں ہو یا نسیان میں اگر دونوں میں فرق ہوتا تو اس کی تفصیل بیان کی جاتی مگر امام ابوحنیفہؒ نے ان سب کی دلیلوں کے جواب دیۓ ہیں تفصلیل کے لئے دیکھئے (السمح المحمود ص۹/۳۴۳)

ابوداؤد شریف ص۳۹۴

(۲۳) سوال: اَنّ اعرابیاً یقال لہٗ : ابو ثعلبة قال : یا رسول اللہ اِنّ کِلاباً مُکَلَّبَۃً فافتِنِی فِی صَیدِھَا : فقال النبیُّ ﷺ ، اِن کانَ لَکَ کِلاباً مُکلبۃً فَکُلْ ممَّا اَمسَکنَ عَلَیکَ ، قال ذَکِیّاً اَو غیرَ ذَکِیٍّ . قال نعم ، قال ، فاِن اَکَلَ مِنہُ قال : واِن اَکَلَ مِنہُ.

(الف) کلب مکلب ومعلم کا اطلاق کب ہوگا اس میں ائمہ کا مذہب نقل کریں ،(ب) ذکیا اور غیر ذکی کی تفصیل وتشریح کریں (ج) وَاِنْ أَكَلَ مِنْهُ کی صورت میں شکار کا حلال ہونا کس امام کا مذہب ہے۔(د) امام ابوحنیفہؒ کا کیا قول ہے یہ حدیث ان کے خلاف ہے تو ان کی دلیل اور اس حدیث کا جواب تحریر کریں:

(جواب الف) اس کا جواب سوال نمبر۲۲ میں گزر گیا ہے:

(ب) ذَكِيًّا اور غیر ذکیّ: اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک تو یہ کہ ذکیّ سے مراد وہ جانور ہے جس کو کتے نے روک لیا ہو اور جانور ابھی زندہ ہے پھر مالک اس کو ذبح کریگا، اور غیر ذکی سے مراد یہ ہے کہ وہ جانور مالک کے پاس آنے سے پہلے ہی مرجائے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ ذکی سے مراد وہ جانور ہو جس کو کتا زخمی کردے اور اس کا خون بہہ جائے، اور غیر ذکی سے مراد وہ جانور ہو جو مالک کو زندہ ملے یعنی وہ کتے کا ذبح کیا ہوا نہیں ہے بلکہ مالک اس کو ذبح کریگا (السمح المحمود ص۹/۳۵۴۔ القول المحمود ص۳۵)

(ج) وَاِن أكَلَ مِنهُ کی صورت میں شکار کا حلال ہونا امام مالکؒ کا مذھب ہے اور یہی مذہب سعد بن ابی وقاصؓ، سلمان فارسیؓ، اور ابن عمرؓ کا ہے (الحل المحمود ص۳۰۶)

(د) حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ اگر کتا اس میں سے کھالے تو شکار مالک کے لئے حلال نہیں ہے، دلیل۔ فَاِنْ أَكَلَ الكلبُ فَلا تأكُلُ فَاِنّي أخاف أنْ يكونَ اِنَّما أمسكهُ عَلىٰ نَفْسِهٖ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فَكلوا مِمّا أمْسَكْنَ عَليكُمْ:

دلیل کا جواب، حدیث شریف کا جواب یہ ہے کہ کتے نے شکار کیا اور اس کو چھوڑ دیا، اور شکار سے جدا ہو گیا پھر دوبارہ آکر شکار سے کھالیا تو اس صورت میں کتے کے کھانے سے وہ شکار حرام نہیں ہوگا، دوسری بات یہ ہے کہ ابو ثعلبہ کی روایت ضعیف ہے، جس سے استدلال کرنا درست نہیں ہے (السمح المحمود)

ابوداؤد شریف ص ۳۹۸

(۲۴) سوال: عن ابنِ عُمَرؓ قال : أصابَ عمرُ أرضاً بخيبرَ، فأتى النبيَّ ﷺ، فقال : أصبتُ أرضاً لم أصبْ مالاً قطُّ أنفسَ عندي منهُ، فكَيفَ تأمرُني بِهِ قال إن شئتَ حَبَسْتَ أصلَها فتصدّق بها عمرُ انه لا يباعُ اصلُها وَلا يوهبُ، ولايورثُ للفقراء والقرباء وَالرّقابِ، وَفي سَبيل الله وَابنِ السّبيلِ؛

(الف) عبارت بااعراب لکھکر ترجمہ کیجئے (ب) باوضاحت مطلب لکھئے (ج) نیز وقف کی تعریف مع اقسام لکھئے۔

(جواب الف) حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کو خیبر میں ایک زمین ملی، تو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اورعرض کیا کہ یا رسول اللہ، مجھے ایک ایسی زمین ملی ہے کہ اس سے بہتر مال مجھے کبھی نہیں ملا، آپ ﷺ اس کے بارے میں کیا حکم فرماتے ہیں حضور ﷺ نے ارشادفرمایا ہے کہ اگر تم چاہو تو اس کی ملکیت روک لو اور اس کے منافع کو صدقہ کردو، چنانچہ حضرت عمرؓ نے صدقہ کردیا کہ اصل زمین نہ بیچی جائے نہ ہبہ کی جائے، اور نہ ہی میراث میں آئے، اس سے فقراء، قربی، غلام، مجاہدین اور مسافرین نفع اٹھائیں۔

(ب) اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کو خیبر میں ایک زمین ملی تو حضرت عمرؓ حضور ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایک ایسی زمین ملی ہے کہ اس سے بہتر مال مجھے کبھی نہیں ملا اور وہ زمین جو حضرت عمرؓ کو ملی تھی اس کا نام ثمغ تھا، بعض

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین خیبر میں تھی اور بعض روایات میں ہے کہ یہ زمین مدینہ میں تھی۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں لکھا ہے کہ یہ زمین خیبر ہی میں تھی اور اس کی مقدار اُن سو حصوں کے برابر تھی جو حضرت عمرؓ کو خیبر کی مال غنیمت میں سے ملے تھے (فتح الباری ص ۵/۵۰۲)

أنفس عندی منه۔ حضرت عمرؓ کا یہ فرمانا کہ مجھے ایک ایسی زمین ملی ہے کہ اس سے بہتر مال مجھے کبھی نہیں ملا کیونکہ یہ زمین بڑی عمدہ تھی جو دل کو بھانے والی تھی اور اصل بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے لن تنالوا البرَّ حتّی تنفقوا مما تحبون نازل فرمایا تو بہت سے صحابہ نے اپنے اپنے محبوب اور پسندیدہ مال کو حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا اور انہی میں سے حضرت عمرؓ بھی ہے یعنی حضرت عمرؓ نے آپ ﷺ کی رائے معلوم کر کے اس کو خرچ کر دیا آپ ﷺ نے فرمایا اِن شئتَ حَبستَ أصلها اگر تم چاہو تو اس کی ملکیت روک لو یعنی اس کو اللہ تعالیٰ کی ملکیت پر باقی رکھوں اور اس کے منافع کو فقراء اور مساکین پر صدقہ کر دو چنانچہ حضرت عمر نے صدقہ کر دیا اور کہا کہ اصل زمین نہ بیچی جائے اور نہ ہبہ کی جائے اور نہ ہی میراث میں آئے اس سے فقراء، قربیٰ، غلام، مجاہدین، اور مسافرین نفع اٹھائیں یعنی اس زمین کو بیچنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس کو ہبہ کیا جائے گا اور نہ اس میں وراثت جاری ہوگی۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے یہ شرائط حضرت عمرؓ کی بیان کردہ ہے جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ ان شرائط کو خود حضور ﷺ نے بیان کیا ہے تو ان دونوں باتوں میں تطبیق کی شکل یہ ہو سکتی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو یہ شرائط بتلائیں اور انہوں نے ان شرائط پر عمل کیا اس وجہ سے دونوں کی طرف نسبت کر دی گئی۔

لِلفُقراء سے عام فقراء مراد ہیں، اور قربیٰ سے کون لوگ مراد ہے اس میں دوقول ہیں (۱) وہ اقرباء مراد ہیں جن کا تذکرہ وَاعلموا أنما غنمتم من شئيٍ الخ میں کیا گیا ہے (۲) یا اقرباء سے مراد واقف کے اقرباء ہیں، علامہ قرطبی نے قول ثانی کو ہی راجح قرار دیا ہے۔

وفی الرقاب وہ غلام جو مکاتب ہیں ان کا بدل کتابت ادا کرنے میں اس کے منافع کو خرچ کیا جائے اور یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ اس زمین کی آمدنی سے غلام خریدے جائیں اور پھر ان کو آزاد کیا جائے۔

فی سبیل اللہ یہاں یہ اپنے عمومی معنیٰ میں نہیں ہے بلکہ اس سے منقطع الحاج الغزاۃ مراد ہیں مثلاً ایک شخص حج کے لئے نکلا راستہ میں سواری ہلاک ہوگئی، اور ابن السبیل سے مراد مسافر ہے جس کے پاس گھر تو مال ہو لیکن اس وقت سفر میں اس کے پاس کچھ بھی نہیں ہے کہ جس کے ذریعہ وہ اپنے گھر واپس جاسکے۔

(ج) وقف کی تعریف: وقف کے لغوی معنیٰ حبس اور روکنے کے ہیں کہا جاتا ہے حبستُ الأرْضَ وَوَقَفْتُها.

حنفیہ نے وقف کی اصطلاحی تعریف یہ کی ہے اِنّہٗ حبس العین علیٰ حکم ملک اللّٰہ تعالیٰ والتصدق بالمنفعةِ

وقف کی دوقسمیں ہیں (۱) وقف لازم (۲) وقف غیر لازم)

وقف لازم: واقف کسی چیز کی ذات کو ہی وقف کردے، جیسے زمین کو مسجد کے لئے یا قبرستان کے لئے وقف کردینا اس صورت کا حکم یہ ہے کہ اس میں واقف کو رجوع کا حق نہیں، اسی طرح نہ اس کو بیچا جاسکتا ہے نہ ہبہ کیا جاسکتا ہے، اور نہ ہی اس میں وارثت جاری ہوگی۔

وقف غیر لازم: یہ ہے کہ شیئی کی ذات کوتو وقف نہ کرے بلکہ اس کے منافع کوصدقہ کردے مثلاً یہ کہہ دے کہ اس زمین سے جو آمدنی ہونگی وہ مسجد کے لئے یا فقراء کے لئے وقف ہے۔

پھراس وقف غیر لازم کی تین صورتیں ہیں:

(۱) واقف نے وقف کوموت کی جانب منسوب کیا ہوگا مثلاً کہے کہ یہ چیزیں میری زندگی میں وقف ہےاورمرنے کے بعد صدقہ ہے

(۲) واقف نے کسی شئی کی منفعت کومطلقاً وقف کیااور مابعدالموت کی طرف منسوب نہیں کیا، مثلاً یہ کہا کہ میں نے اپنی زمین کی آمدنی کوفلاں آدمی پر وقف کر دیا، اورمرنے کے بعدکوئی حکم بیان نہیں کیالیکن کسی حاکم نے اس کےلزوم کا فیصلہ کردیا ہوتو دونوں صورتوں میں وقف لازم ہی ہوگا۔

(۳) واقف کسی چیز کی منفعت صدقہ کردےاوراس کو مابعدالموت کی طرف منسوب نہ کرے اوراس کے ساتھ حاکم کا فیصلہ بھی متصف نہ ہومثلاً کہے کہ میں نے اپنے گھر کی آمدنی کوفلاں شخص پر وقف کر دیااس میں امام ابوحنیفہؒ اور جمہورؒ کے درمیان اختلاف ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ وقف لازم نہیں ہوگالہذا اس میں واقف کے لئے رجوع جائز ہےاسی طرح اس کو بیچنا، ہبہ کرنا جائز ہےاور جمہورؒ فرماتے ہیں کہ وقف لازم ہی ہوتا ہے کسی صورت میں بھی وقف غیر لازم نہیں ہوتا ہے۔

ابوداؤدشریف ص۳۹۸

(۲۵) سوال: عن ابی هريرة أنَّ رَسولَ اللّٰهِ صلى اللّٰهُ عليه وسلم قال: أذا ماتَ الانسانُ اِنقَطَعَ عَمَلُهُ، اَلَّامِنْ ثَلٰثِةِ أشياء، مِنْ صَدَقَةٍ جارِيَةٍ، أوْ عِلْمٍ

يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْلَهُ"

(الف) عبارت بااعراب لکھکر ترجمہ ومطلب لکھئے۔

(ب) میت کوجن چیزوں کے ثواب پہنچنے میں اختلاف ہے اس بارے میں ائمہ کرام کے مذاہب مع دلائل تحریر کیجئے، نیز امام اعظم کا مسلک مع الدلیل لکھئے اور دیگر حضرات کے جواب بھی سپرد قلم فرمائیے۔

(ج) کیا اس مختلف فیہ مسئلہ کا اس حدیث سے بھی کوئی تعلق ہے۔

(جواب الف) حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے سوائے تین چیزوں کے، یعنی صدقہ جاریہ، ایسا علم جس سے انتفاع کیا جاتا ہو، اور ولد صالح جو اس کے لئے دعاء کرے،

مطلب: اس حدیث شریف میں ایصال ثواب کا بیان ہے یعنی جب انسان مرجاتا ہے، تو اس کا عمل بھی ختم ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے عمل کا وجود ہی نہیں ہوتا، مگر یہ تین قسم کے کام مرنے کے بعد بھی باقی رہتے ہیں، اس لئے ان کا ثواب بھی ملتا رہتا ہے، روایت میں قرین قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ جاریہ سے مراد وقف ہے، اور ولد صالح سے مراد مؤمن ہے، اور اس میں یدعو کی قید احترازی نہیں ہے، بلکہ لوگوں کو اس بات کی ترغیب دینے کے لئے یہ قید لگائی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی شاندار تربیت کریں کیونکہ نیک اولاد ہی سے دعاء کی بھی امید ہوتی ہے، نیک اولاد ہی مرنے کے بعد ثواب پہنچا سکتی ہے، اس لئے والدین کو چاہئے کہ وہ اپنے بچوں کی صالح اور اچھی تربیت کریں۔ (السعی المحمود ۹/۳۹۲)

(ب) عبادت بدنیہ اور تلاوت کلام پاک وغیرہ کے ثواب پہنچنے میں اختلاف

ہے، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک صرف حج، صدقہ اور دعاء کا ثواب ہی پہنچ سکتا ہے ،اس کے علاوہ کسی عبادت کا ثواب میت کو نہیں پہنچے گا، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ہر عبادت کا ثواب میت کو پہنچ جاتا ہے۔

معتزلہ کہتے ہیں کہ میت کو کسی بھی طرح کی عبادت کا ثواب نہیں پہنچتا ہے، خواہ عبادت بدنی ہو یا مالی ہو۔

معتزلہ کی دلیل: قرآن کی آیت ہے ''لیس للانسان الا ما سعیٰ'' اور ظاہر ہے کہ دوسرے کی سعی اور کوشش اس کی سعی اور کوشش نہیں ہے لہذا دوسرے کے عمل کا ثواب اس کو نہیں پہنچ سکتا، اور حدیث پاک بھی معتزلہ کی دلیل ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ جب انسان سے اس کا عمل منقطع ہو گیا، تو ثواب کس چیز پر ملیگا، ثواب تو عمل ہی پر ملتا ہے۔ اور عمل ہو گیا منقطع لہذا ثواب بھی منقطع ہو جائیگا۔

شوافع اور مالکیہ کی دلیل: یہ ہے کہ ان ہی تین چیزوں کا ثواب پہنچانا منصوص ہے، دوسرے اعمال کو ان پر قیاس نہیں کیا جائیگا۔

امام اعظمؒ اور امام احمدؒ کی دلیل: جب انسان کے پاس کوئی چیز ہو تو اسکو اختیار ہے کہ کسی کو بھی ہبہ کر دے، تو اسی طرح عبادات بدنیہ اور تلاوت قرآن وغیرہ کا ثواب بھی دوسروں کو ھبہ کر سکتا ہے۔

معتزلہ کے دلائل کا جواب (۱) آیت کریمہ میں سعی سے مراد سعی ایمانی ہے۔ (۲) آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی صرف اپنی سعی کا حقدار ہے دوسرے کی سعی اور کوشش کا مالک اور حقدار نہیں ہے۔

''انقطع عملہ'' والی حدیث کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں اس کی نفی نہیں ہے کہ دوسرے

کے عمل کا ثواب نہیں پہنچتا بلکہ اس حدیث اور دیگر روایات سے کا اثبات ہے۔ شوافع اور مالکیہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں تین چیزوں کے علاوہ ثواب پہنچانے کا ذکر نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ثواب پہنچانا ایک کلی ہے، اور کسی بھی چیز کے ثبوت کے لئے کلی کے ہر ہر جزء کو ثابت کرنا ضروری نہیں، بلکہ کلی کے ایک جز کو ثابت کرنے کے بعد اس کے دوسرے تمام اجزاء کو اسی پر قیاس کرلیا جاتا ہے، اور ایک جز کو ثابت کر کے ضابطہ بنالیا جاتا ہے، اور جب تین عبادتوں کا ثواب پہنچانا بھی ثابت ہوگیا تو تمام عبادتوں کا ثواب پہنچانا بھی ثابت ہو جائیگا۔ (السح المحمود ص ۹/۳۹۴۔ فتح الملہم ص ۳/۳۹)

(ج) اس مختلف فیہ مسئلہ کا حدیث سے تعلق ہے کیونکہ اختلاف اس بات میں ہے کہ میت کو ثواب پہنچتا ہے یا نہیں اور حدیث میں آیا ہے کہ تین چیزوں کا ثواب میت کو پہنچتا ہے، (صدقہ جاریہ (۲) ایسا علم جس سے انتفاع کیا جاتا ہو۔

(۳) ولد صالح جو اس کیلئے دعاء کرلے تو معلوم ہوا کہ مختلف فیہ مسئلہ کا حدیث سے تعلق ہے۔